آریائی زبانیں از جناب سدھیشور ورما شاستری ایم اے، ڈی لٹ، پروفیسر سنسکرت و لسانیات پرنس آف ویلز کالج جمون، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت ۱؎ پتہ:- ادارۂ ادبیات اردو خیرت آباد حیدرآباد دکن،

لسانیات یا فیلالوجی اپنی خشکی کے باوجود نہایت دلچسپ فن ہے، لیکن اردو مین اس موضوع پر مستقل کتابین نہین ہین، بعض ادبی کتابون مین ضمناً کچھ لسانیاتی بحثیں ملتی ہین، لائق مولف نے اس کتاب مین لسانی نقطۂ نظر سے ہندوستان اور ایران کی آریائی زبانون کی مختصر تاریخ، ان کی خصوصیات، ماخذ و ارتقا، عہد بعہد کے تغیرات، ان کی باہمی حرفی وصوتی مشابہت و اختلافات وغیرہ کو دکھایا ہے، ہندوستان کی زبانون پر نسبۃً زیادہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، یہ کتاب اس فن سے دلچسپی رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے

اپنے خواب از جناب سید کاظم دہلوی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ دفتر کہکشان گلی تاراشاہ دہلی،

مصنفِ کتاب موجودہ دور کے اچھے افسانہ نگارون مین ہین، ان کے افسانون کے بعض مجموعے اس سے پیشتر شائع ہو چکے ہین، اپنے خواب بارہ افسانون کا نیا مجموعہ ہے، تقریباً کل افسانے رومانی ہین لیکن ان مین حسن وعشق کی محض تفریحی اور بے نتیجہ افسانہ طرازی نہیں ہے، بلکہ روزانہ کے واقعاتِ زندگی، اور ہماری معاشرت کی صحیح تصویرین ہین، افسانون کے پلاٹ دلچسپ، خیالات ستھرے اور زبان پاکیزہ ہے،

مفتاح العربیہ جزو اول و دوم مؤلفہ احمد بن ناصر العیسری استاذ عربی عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد دکن، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ہر دو حصہ ۱۴؍ روپیہ:- مصنف سے ملے گی،

مصنف نے عربی زبان کے مبتدی طلبہ کے لئے یہ ریڈرین لکھی ہین وہ اہلِ زبان بھی ہین، اور تعلیم کا بھی عملی تجربہ رکھتے ہین، اسلئے یہ ریڈرین زبان اور تعلیمی نقطۂ نظر دونون حیثیتون سے مفید ہین، ان مین روزانہ کی ضروریات کے الفاظ اور اسباق مین تدریج، اور ان کی مشق کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، عربی کے مبتدیون کے لئے یہ مفید ریڈرین ہین، "م"

جلد ۵۳ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۴ء عدد ۲

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات،	شاہ معین الدین احمد ندوی،	۸۲-۸۴
حکیم الامۃؒ کے آثار علمیہ،	سید سلیمان ندوی،	۸۵-۱۱۱
"تاریخ افکار و سیاسیاتِ اسلامی"	شاہ معین الدین احمد ندوی،	۱۱۲-۱۳۵
حیدرآباد کی ایک تعلیمی جوبلی،	جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب صدیقی استاذ جامعہ عثمانیہ،	۱۳۶-۱۴۰
ابن منصور کو پھانسی نہیں سولی دی گئی تھی،	جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی،	۱۴۱-۱۴۷
سفیرِ غیب،	جناب ابوالاسرار صاحب رمزی اٹاوی،	۱۴۸-۱۵۲
آہ حکیم الامۃ!	جناب فکر ندوی،	۱۵۳-۱۵۴
تاریخہائے وفات حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ،	جناب جمیل الرحمن صاحب محمودی سیوہاروی	۱۵۴-۱۵۵
مطبوعات جدیدہ،	"م"	۱۵۶-۱۶۰

شذرات

بیرونی اجنبی قوموں نے خاص سیاسی اغراض کے ماتحت ہندوستان کے اسلامی عہد کی نہایت غلط اور مسخ تاریخیں لکھیں جن کا مقصد یہاں کے مختلف فرقوں میں باہم بغض و منافرت پھیلانا، ان کے دلوں سے اُن کے شاندار ماضی اور ان کے اسلاف کے کارناموں کی وقعت گھٹانا، ان کی پستی اور نئی حکمران قوم کی عظمت و برتری کا نقش جمانا تھا، اس کے جو مذموم نتائج نکلے وہ نگاہوں کے سامنے ہیں، اسی قسم کی تاریخیں تعلیمگاہوں میں داخل کی گئیں، اس لئے جدید تعلیم یافتہ نسل کے دل و دماغ ابتدا ہی سے ان کے زہریلے اثرات سے متاثر ہوتے رہے، اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ خود ان ہندوستانیوں نے جو تاریخیں لکھیں وہ بھی بالعموم ان اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں، اس لئے عرصہ سے ایسی تاریخ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جس میں واقعات کی صحت، غلط واقعات کی تحقیق و تنقید اور قومی تعمیر کے عناصر کا خاص لحاظ رکھا جائے، بعض اصحاب علم نے اپنے مضامین اور تحریروں میں اس مقصد کو پیش نظر رکھا لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ کام کسی ایک شخص یا چند اشخاص کے بس کا نہیں ہے، اب بعض علمی و تعلیمی اداروں نے بھی اجتماعی طور سے یہ کام شروع کیا ہے، چنانچہ انڈین ہسٹری کانگریس، بھارتیہ اتہاس پرشد اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں تاریخ ہندوستان کی تدوین کا کام ہو رہا ہے، دار المصنفین نے بھی اس کو شروع کیا ہے، جس کا تذکرہ ان صفحات میں آچکا ہے،

تاریخوں کے لکھنے کا موقع بار بار نہیں آتا، اس لئے ان اداروں کو ابتدا ہی سے مذکورۂ بالا اہم اور ضروری پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا چاہئے ورنہ اگر ان تاریخوں میں بھی فروگذاشتیں رہ گئیں تو پھر اس کی تلافی مدتوں نہ ہو سکے گی، اور چونکہ یہ اپنی قومی تاریخیں ہوں گی اس لئے ان کی غلطیاں دوسری اقوام کی لکھی ہوئی تاریخوں کی غلطیوں سے زیادہ مضرت رساں ثابت ہوں گی،

اس سلسلہ میں چند باتیں خاص طور سے توجہ کے قابل ہیں، ایک یہ کہ تاریخ لکھنے میں کسی قوم اور فرقے کا اپنے ذاتی

نقطۂ نظر اور مخصوص قومی مقاصد سے یکسر خالی الذہن رہنا بہت دشوار ہے، اس لئے اس کی توقع بھی نہیں کی جاتی، لیکن اگر مذکورۂ بالا اہم مشترک مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر دوسرے امور میں اپنے مخصوص قومی نقطۂ نظر کی ترجمانی میں چنداں مضائقہ نہیں ہے، دوسری یہ کہ دنیا کی کسی حکومت کا دامن خامیوں اور کوتاہیوں سے پاک نہیں اور نہ سب کے سب حکمران عدل و مساوات کا نمونہ ہوتے ہیں، کیا خود اپنی قومی حکومت کے ہاتھوں اپنے ہم قوم محکوموں کے ساتھ بے عنوانیاں نہیں ہوتیں اور کیا خود اپنی قوم کے ہاتھوں حکومتوں کو نقصان نہیں پہنچے اور کیا عدل و مساوات کا یہ دور جس کو مذہبی تعصب سے خالی کہا جاتا ہے ایسی مثالوں سے خالی ہے، ایسی حالت میں کسی حکومت یا حکمران کے ہر فعل کو محض اختلاف مذہب یا تعصب کا نتیجہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، بعض بے عنوانیاں حکومت کے ذاتی مصالح، عام سیاسی پالیسی اور مذہب سے قطع نظر ان کی قومی سرشت کا نتیجہ ہوتی ہیں، جن کو مذہبی جذبہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور جس کا اثر بلاتفریق مذہب تمام محکوموں پر پڑتا ہے، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ گذشتہ حکومتوں کے ہر جائز و ناجائز فعل کو سراہا جائے، بلکہ یہ ہے کہ ان کو محض اختلاف مذہب کی عینک سے نہ دیکھا جائے اور ان کی غلطیوں اور بے عنوانیوں کو ان کی حد کے اندر محدود رکھا جائے، انہیں آب و رنگ دے کر چمکایا نہ جائے اور ان کی کوتاہیوں کے ساتھ فراخ دلی سے ان کے محاسن کا بھی اعتراف کیا جائے، یہ بھی واضح رہے کہ محض حسن ظن اور سوء ظن سے ایک ہی واقعہ کے متعلق نتائج بالکل بدل جاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات متضاد ہو جاتے ہیں،

کسی تاریخ خصوصاً اپنی قوم کی تاریخ کی تدوین میں اعلیٰ قومی مقاصد کا لحاظ رکھنا تاریخ نگاری کی دیانت کے خلاف نہیں ہے، تاریخی دیانت اور خیانت کا مقصد یہ ہے کہ ذاتی جذبات فرقہ وارانہ اغراض اور پست مقاصد کے لئے تاریخ کو مسخ یا اس پر ملمع نہ کیا جائے، یہ نہیں ہے کہ غایت دیانتداری اور غیر جانبداری میں قومی تعمیر کے عناصر کو نظر انداز کر دیا جائے، اور نہ اس دیانت کا ثبوت آج تک کسی قوم کے مورخ نے دیا ہے، موجودہ زمانہ کی تاریخوں کو نہ صرف قوموں کو نیک نام اور بد نام کرنے بلکہ ان کو بنانے اور بگاڑنے میں بھی دخل ہے، اس لئے ان کی تدوین

میں کسی حال میں بھی قومی مقاصد سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا، خصوصاً ہندوستان کی تاریخ میں جبکہ ابھی تعمیری دور ہے،

گذشتہ مہینہ کی آخری تاریخوں میں کاشی پرچارنی سبھا کی سلور جوبلی منائی گئی، اس کے محترم صدر نے اُردو کی مخالفت اور ہندی کی حمایت میں بڑی پرزور تقریر کی، اس میں دو باتیں خاص طور سے دلچسپ نظر آئیں، ایک ہندی کی عالمگیریت یعنی ہندوستان کے باہر اس کی مقبولیت اور اشاعت کا دعویٰ، دوسرے ہندوستان میں ریڈیو کے ذریعہ عربی اور فارسی کلچر کی اشاعت کی سازش کا انکشاف، اب تک ہندی کے مشترکہ اور عمومی زبان ہونے کا دعویٰ ہندوستان کے اندر تک محدود تھا، اس کی عالمگیری کی یہ پہلی آواز ہے، دیکھیں آیندہ اس تخم ریزی سے کیا کیا شاخیں پھوٹتی ہیں، لائق صدر نے غالباً اس لئے ریڈیو پر غصہ کا اظہار کیا ہے کہ اس میں عام فہم زبان کیوں بولی جاتی ہے، ٹھیٹھ ہندی کیوں نہیں بولی جاتی، لیکن وفور جوش میں جناب صدر کی نگاہ اس پہلو پر نہیں گئی، کہ ان کا یہ غصہ اور الزام دوسرے لفظوں میں اس کا اعتراف ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان وہی ہے، جو ریڈیو پر بولی جاتی ہے، اس لئے کہ ریڈیو میں وہی زبان چل سکتی ہے، جسے سارا ہندوستان سمجھتا ہو،

مالوی جی کا لہجہ البتہ اس مرتبہ خلاف معمول اردو کے حق میں مشفقانہ تھا، انھوں نے اس کو ہندی کی بہن تسلیم کیا ہے، اور اس کی ترقی کی بھی خواہش ظاہر کی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہندی کو یہ ترجیحی حق عطا فرمایا ہے کہ عدالت کی زبان اسی کو ہونا چاہئے، اردو کو ہندی کی بہن تسلیم کرنے کے بعد پھر مادرِ ہند کے اس ترکہ میں ہندی کا ترجیحی حق کیوں ہے، اردو تو ہندو قانون وراثت کے مطابق بھی اس سے محروم نہیں ہوسکتی، اس پورے مجمع میں ایک بلبلِ ہند کے نغمہ میں صداقت تھی کہ "ہندوستان کی زبان وہی ہونی چاہئے جو صوبہ متحدہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے" اردو کے حامی بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے،

مقالات

حکیم الامّۃ کے آثارِ علمیہ

حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و دینی فیوض و برکات اس قدر مختلف الانواع ہین کہ اُن سب کا احاطہ ایک مختصر سے مضمون میں نہیں ہوسکتا، اور یہی ان کی جامعیت ہے جو ان کے اوصاف و محامد مین سب سے اول نظر آتی ہے، وہ قرآن پاک کے مترجم ہین، مجوّد ہین، مفسّر ہین، اوس کے علوم و حِکَم کے شارح ہین، اوس کے شکوک و شبہات کے جواب دینے والے ہین، وہ محدّث ہین، احادیث کے اسرار و نکات کے ظاہر کرنے والے ہین، وہ فقیہ ہین، ہزارون فقہی مسائل کے جوابات لکھے ہین، نئے سوالون کو حل کیا ہے، نئی چیزون کے متعلق انتہائی احتیاطون کے ساتھ فتوے دیئے ہین،..... وہ خطیب تھے، خطبِ ماثورہ کو یکجا کیا ہے، وہ واعظ تھے، ان کے سیکڑون وعظ چھپ کر عام ہوچکے ہین، وہ صوفی تھے، تصوف کے اسرار و غوامض کو فاش کیا ہے، شریعت و طریقت کی ایک مدت کی جنگ کا خاتمہ کرکے دونون کو ایک دوسرے سے ہم آغوش کیا ہے، ان کی مجلسون مین علم و معرفت اور دین و حکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے، اور یہ موتی جن گنجینون مین محفوظ ہین، وہ ملفوظات ہین، جن کی تعداد بیسیون تک پہنچی ہے، وہ ایک مرشد کامل تھے، ہزارون مسترشد و مستفید اُن کے سامنے اپنے احوال و واردات پیش کرتے تھے، اور وہ ان کے تسکین بخش جوابات دیتے تھے، اور ہدایات بتاتے تھے، جن کا مجموعہ تربیۃ السالک ہے، اونھون نے بزرگون کے احوال و کمالات کو یکجا کیا، اور اس ذخیرہ سے سب کو آشنا کیا، اُن کی متعدد کتابیں اس مضمون پر ہین

اونھون نے حضرات چشت کے احوال و اقوال مین سے بظاہر اعتراض کے قابل باتون کی حقیقت ظاہر کی، اور انکی
تلخیصات کین، اون کی کتابون کے خلاصے، اقتباسات اور تسہیلات ان سے الگ ہین، جن کی ترتیب ان کے مسترشدین
نے کی ہے، وہ مصلح امت تھے، امت کے سیکڑون معائب کی اصلاح کی، رسوم و بدعات کی تردید اصلاح رسوم
اور انقلاب حال پر متعدد تصانیف کین، وہ حکیم امت تھے، مسلمانون کے علاج اور نشأۃ و احیا، پر حیوٰۃ المسلمین وغیرہ
رسائل تالیف فرمائے، غرض ان کی زندگی مین مسلمانون کی کم کوئی ایسی مذہبی ضرورت ہو گی جس کا مداوا اس
حکیم الامۃ نے اپنی زبان اور قلم سے نہین فرمایا، اور جس کی وسعت کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی نظر مین آسکتا ہے

ان کی تصنیفات ہندوستان کے پورے طول و عرض مین پھیلین، اور ہزارون مسلمانون کی صلاح
و فلاح کا باعث ہوئین، اردو اور عربی کے علاوہ، مسلمانون نے اپنے ذوق سے اُن کی متعدد تصانیف کا
ترجمہ غیر زبانون مین بھی کیا، چنانچہ ان کی متعدد کتابون کے ترجمے انگریزی، بنگالی، گجراتی اور سندھی مین شائع ہوئے

ان کی تصانیف کی تعداد جن مین چھوٹے بڑے، رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہین، آٹھ سو کے قریب ہے
۱۳۵۴ھ مین اون کے ایک خادم مولوی عبدالحق صاحب فتحپوری نے ان کی تصنیفات کی ایک فہرست شائع
کی تھی، جو بڑی تقطیع کے پورے ۷۸ صفحون کو محیط ہے، اس کے بعد نو برسون مین جو رسائل یا تصانیف ترتیب
پائین وہ ان کے علاوہ ہین، کہا جاتا ہے کہ ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو
یہ صدی جو مطبوعات و منشورات کے کمالات سے مملو ہے، اور جس کا اہم کارنامہ خواہ حق کے اثبات و اظہار مین ہو
یا باطل کی نشر و اشاعت مین، پریس اور مطبع ہی کے برکات ہین، زبان و قلم اس صدی کے مبلغ ہین، اور رسائل و
منشورات دعوت کے صحیفے ہین، اس بنا پر مناسب تھا کہ اس صدی کے مجدد کی کرامت بھی انہی کمالات مین جلوہ گر ہو

علماے اسلام مین ایسے بزرگون کی کمی نہین جنکی تصانیف کے اوراق اگر انکی زندگی کے ایام پر بانٹ دیے
جائین تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے، امام جریر طبری، حافظ خطیب بغدادی، امام رازی،
حافظ ابن جوزی، حافظ سیوطی وغیرہ متعدد نام اس سلسلہ مین لئے جا سکتے ہین، ہندوستان مین مولانا ابوالحسنات

عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اور نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کے نام بھی اس سلسلہ مین داخل ہین، اس سلسلہ
کا اخیر نام حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کا ہے،

مولانا کی تصانیف کے انواع

مولانا کے رسائل اور تصانیف کی تعداد گو آٹھ سو کے قریب ہے، مگر ان مین چھوٹے چھوٹے
رسالے بھی جن کو نئی اصطلاح مین مضامین و مقالات کہتے ہین داخل ہین، ان مین بعض اتنے مختصر ہین کہ صرف صفحہ
دو صفحے مین ہین، بعض ایسے ضخیم ہین کہ کئی کئی جلدون مین ہین،

زبان

بیشتر تصانیف نثر مین اور اردو زبان مین ہین، البتہ بارہ تیرہ رسائل و کتب عربی زبان مین ہین جن کے
نام یہ ہین سبق الغایات فی نسق الآیات، انوار الوجود، التجلی العظیم، حواشی تفسیر بیان القرآن، تصویر المقطعات، التلخیصات
العشر، مائۃ دروس، الخطب الماثورہ، وجوہ المثانی، سبع سیارہ، زیادات، جامع الآثار، تائید الحقیقۃ، اور
تین فارسی مین ہین، مثنوی زیر و بم، تعلیقات فارسی، عقائد بانی کالج،

نظم و نثر

نظم مین مولانا کی تصنیف صرف یہی ایک مثنوی زیر و بم ہے، اور یہ طالب العلمی کے بعد ہی لکھی ہے، بظاہر
اس مین ایک بیوقوف عاشق اور چالاک معشوق کا قصہ ہے، مگر درحقیقت یہ نفس انسانی کی بصیرت افروز حکایت
ہے، ایک اور نظم اوراد رحمانی کے آخر مین ہے،

مولانا کو فارسی کے بیشمار اشعار یاد تھے، حافظ اور مولانا رومی کے اشعار بیشتر نوک زبان تھے، اور نظم کا ملکہ
اور سلیقہ بھی تھا، مگر کبھی اس سے کام نہین لیا، ایک دفعہ مین نے اپنے برادر گرامی قدر مولوی مسعود علی صاحب کو
جو تھانہ بھون مین مقیم تھے، اپنے حاضر ہونے کے قصد سے مطلع کیا، اور ریاض مرحوم کا یہ مصرع لکھدیا:

زندگی ہے تو فقیرون کا بھی پھیرا ہوگا

برادر موصوف نے یہ اطلاع مولانا کو دی، اور یہ مصرع بھی سنا دیا، تو فوراً فقیرون کو بدل کر یون فرمایا،

زندگی ہے تو سلیمان کا بھی پھیرا ہوگا

ایک دفعہ حضرت نے خاکسار کو ایک تسبیح عنایت فرمائی، تو خاکسار نے ایک بیت کہی ؎

خواجہ بخشید مرا سجہ ٔ صد دانہ بلطف دانہ انداخت و در حلقہ مرا کرد اسیر

وصل مرحوم نے موقع سے حضرت کو یہ سنا دیا، تو فرمایا، "تو بھئی مجھے بھی اس کا جواب کہنا پڑے گا"، مگر کچھ فرمایا نہیں، بے آخر میں جب خاکسار نے از خود حضرت کی تحریک و اشارہ کے بغیر اپنے احساس سے مجبور ہو کر رجوع و اعتراف کا مضمون معارف میں شائع کیا، اور ملاحظہ کے لئے بھیجا تو بہت مسرت ظاہر فرمائی، اور مثنوی کے وزن پر دس بارہ شعر لکھ کر بھیجے، جو اس ہیچ میرز کے لئے وجہ سعادت ہیں، یہ غالباً آخری نظم کی تصنیف ہے، اور اس کا ایک نام بھی حضرت نے رکھ دیا ہے،

موضوعات نثر — تصانیف کا بیشتر حصہ اصلاحی اور فقہی ہے، اور کم تر کتب درس کے متعلق، تاہم دو چار درسی کتابوں پر بھی رسائل ہیں، مذہبی تصانیف میں علوم القرآن، علوم الحدیث، کلام و عقائد، فقہ و فتاوی اور سلوک و تصوف اور مواعظ اکثر ہیں،

قرآن پاک کی خدمت — اسلام میں علم کا سب سے پہلا سفینہ خود اسلام کا صحیفہ ہے یعنی قرآن پاک، مولانا نے اس کی خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی، وہ بجائے خود ان کی ایک علمی کرامت ہے، کانپور کے زمانہ قیام میں مطبع انتظامی میں تشریف رکھتے تھے، وہاں جبرائت اولین مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم علمہ الکتاب کی دعا دی تھی اور بشارت سنائی تھی، مولانا فرماتے تھے، کہ اس رویا کے بعد سے میری مناسبت قرآنی بہت بڑھ گئی تھی اور یہ رویا اسی کی طرف اشارہ تھا،

قرآن پاک کی خدمت کی یہ سعادت نہ صرف معنوی حیثیت سے حاصل فرمائی، بلکہ لفظ و معنی دونوں حیثیتوں سے وہ حافظ تھے، اور بڑے جید حافظ، وہ قاری تھے، اور فنون تجوید و قرأت کے بڑے ماہر، اخیر زمانہ میں پانی پت کو قاری عبد الرحمان صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی برکت سے قرأت سے ایک خاص مناسبت حاصل ہو گئی تھی، مولانا ایک دفعہ جب پانی پت گئے، تو لوگوں نے انکو بالقصد کسی جہری نماز میں امام بنا دیا، مولانا نے بے تکلف کسی تصنع کے بغیر ایسی قرأت فرمائی کہ قاریوں نے تعریف کی، کہ صحت مخارج کے ساتھ تکلف کے بغیر اس قدر مؤثر قرأت نہیں سنی تھی، ایک

اور مقام پر جہاں اہل نظر موجود تھے، صبح کی نماز پڑھائی، تو ایک صاحب نے کہا کہ موسیقی کے قاعدہ سے آپ کی قرأت میں بھیرویں کی کیفیت تھی، جو صبح کی ایک سہانی راگنی کا نام ہے،

مولانا کی قرأت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مخارج کی پوری صحت ہوتی تھی، لیکن لہجہ میں عام قاریوں کی طرح بناوٹ نہ تھی، اور نہ تحسین آواز کے لئے تکلف اتار چڑھاؤ ہوتا تھا، بلکہ فطری آواز بلا تکلف حسب موقع گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، اور تاثیر میں ڈوب کر نکلتی تھی کہ ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد،

۱- تجوید و قرأت و متعلقات علوم قرآنی

علوم القرآن میں سے یہ پہلا فن ہے، مولانا نے اس فن پر حسب ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں،

۱- جمال القرآن یہ فن تجوید کا رسالہ ہے، جس میں قرآن مجید کو ترتیل اور تجوید سے پڑھنے کے مسائل یعنی مخارج اور صفات حروف، اظہار و اخفاء، ابدال و ادغام و تفخیم و ترقیق و وقف و وصل کے مسائل درج فرمائے ہیں،

۲- تجوید القرآن اس مختصر منظوم رسالہ میں بچوں کی یاد کے لئے تجوید کے عام مسائل لکھے ہیں،

۳- رفع الخلاف فی حکم الاوقاف اوقاف قرآنی کے بارہ میں قاریوں میں جو اختلاف ہے اس رسالہ میں اس کی توجیہ و تطبیق کی صورت بیان کی گئی ہے،

۴- وجوہ المثانی اس میں قرآن شریف کی مشہور قرأتوں کے اختلافات کو قرآن پاک کی سورتوں کی ترتیب سے سلیس عربی میں جمع فرمایا ہے اور اخیر میں تجوید و قرأت کے کچھ قواعد تحریر فرمائے ہیں،

۵- تنشیط الطبع فی اجراء السبع قرأت سبع اور اس فن کے رواۃ کی تفصیل درج کی گئی ہے،

۶- زیادات علی کتب الروایات اس میں قرأت کی غیر مشہور روایتوں کی سندیں ہیں، یہ وجوہ المثانی کے اخیر میں بطور ضمیمہ ہے،

۷- ذنابات لما فی الزیادات یہ اگلے رسالہ کا ضمیمہ ہے،

۸- یادگار حق القرآن اس میں قرآن مجید کے آداب اور تجوید کے مسائل کا مختصر بیان ہے یہ تجوید القرآن

کا اختصار اور ضمیمہ ہے،

۹۔ متشابہات القرآن للتراویح، رمضان قرآن پاک کے حفاظ کو تراویح مین قرآن سُنانے مین بعض مشہور مقامات پر جو متشابہات لگتے ہین، اُن سے بچنے کے لئے اس مین چند قواعد کلیہ یعنی گر بعض آیات کے ضبط فرمائے گئے ہین؛

۱۰۔ آداب القرآن، قرآن پاک کی تلاوت کے آداب، اور تلاوت کرنے والون کی کوتاہیون کی اصلاح کے لئے ہدایات و تنبیہات ہین،

۲۔ ترجمہ و تفسیر قرآن

۱۔ ترجمہ۔ قرآن پاک کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ جس مین زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی ہے، جس سے حقیر کی نظر میں بڑے بڑے ترجمے خالی ہین، قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے، لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے، اس لئے عام اردو خوانون کے فہم سے باہر ہے، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ مین دونون خوبیان یکجا ہین، یعنی ترجمہ صحیح اور زبان فصیح ہے، اس ترجمہ مین ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے، کہ اس زمانہ میں کم فہمی یا ترجمون کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والون کو معلوم ہوتے ہین، ان کا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی ان ترجمون کے پڑھنے سے پیش نہ آئین، اور پھر قرآن پاک کے لفظون سے عدول بھی ہونے نہ پائے اسی لئے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین مین ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہین، یہ مولانا کی عظیم الشان خدمت ہے،

۲۔ تفسیر بیان القرآن، یہ بارہ جلدون مین قرآن پاک کی پوری تفسیر ہے، جس کو ڈھائی سال کی مدت میں مولانا نے تمام فرمایا ہے، اس تفسیر کی حسب ذیل خصوصیتیں ہیں، سلیس و بامحاورہ حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ، نیچے ف کے اشارہ سے فائدہ آیت کی تفسیر، تفسیر مین روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے، فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے، لغات اور نحوی ترکیبون کی تحقیق فرمائی گئی ہے، شبہات اور شکوک کا

ازالہ کیا گیا ہے، صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کئے گئے ہین، تمام کتب تفسیر کو سامنے رکھکر اون مین سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے، ذیل مین اہلِ علم کے لئے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات حل کئے گئے ہین، اور حاشیہ پر عربی میں اعتبارات و حقائق و معارف الگ لکھے گئے ہین، ماخذون مین غالباً سب سے زیادہ آلوسی بغدادی حنفی کی تفسیر روح المعانی پر اعتماد فرمایا گیا ہے، یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقۃً مفید ہے کہ تیرہوین صدی کے وسط مین لکھی گئی ہے، اس لئے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے، اور مختلف و منتشر تحقیقات اس مین یکجا ملجاتی ہین،

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اردو تفسیرین صرف عوام اردو خوانون کے لئے علماء لکھتے ہین، یہی خیال مولانا کی اس تفسیر کے متعلق بھی علماء کو تھا، لیکن ایک دفعہ اتفاق سے مولانا کی یہ تفسیر مولانا انور شاہ صاحب نے اٹھاکر دیکھی تو فرمایا کہ مین سمجھتا تھا کہ اردو مین یہ تفسیر عوام کے لئے ہوگی، مگر یہ تو علماء کے دیکھنے کے قابل ہے، خود میرا خیال یہ ہے کہ قدیم کتب تفسیر میں راجح ترین قول مولانا کے پیش نظر رہا ہے، ساتھ ہی ربط آیات و سور کا ذوق مولانا کو ہمیشہ رہا ہے، اور اس کا لحاظ اس تفسیر مین بھی کیا گیا ہے، مگر چونکہ ربط آیات کے اصول سب کے سامنے یکسان نہیں، اس لئے وجوہ ربط مین قیاس اور ذوق سے چارہ نہین، اس لئے ہر مستند ذوق والے کے لئے اس مین اختلاف کی گنجائش ہے، اسی طرح مفسرین کے مختلف اقوال مین سے کسی قول کی ترجیح مین زمانہ کی خصوصیات اور ذوق و وجدان کا اختلاف بھی امرِ طبعی ہے، اس لئے اگر کلامِ سلف کے اصول متفقہ سے دور نہ ہو تو تنگی نہ کی جائے،

۳۔ چونکہ مسلمانون پر شفقت اور ان کی اصلاح کی فکر مولانا پر بہت غالب تھی، اس لئے وہ ہمیشہ اُن کو گمراہیون سے بچانے مین بجان و دل ساعی رہتے تھے، اردو مین حضرت شاہ عبد القادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے جو ترجمے شائع تھے، وہ بالکل کافی تھے، مگر نئے زمانہ مین پہلے سر سید نے بضمن تفسیر اور پھر شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے نئے اردو ترجمے شائع کئے، تو انھون نے پہلی دفعہ یہ کوشش کی کہ اپنے جدید عقائد کو پیش نظر رکھ کر ترجمے کرین اور اولین توجہ زبان کی طرف رکھین، اور اقوال سلف کی پروا نہ کرین، اس طرز عمل نے علماء کو مضطرب کر دیا، اور ان کو ضرورت محسوس ہوئی، کہ اس کی اصلاح کی جائے، مولانا نے اپنا ترجمہ اسی ضرورت

سے مجبور ہو کر کیا، مگر اسی پر کفایت نہین کی، بلکہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ کو بغور پڑھا، اور اس کے اغلاط نشان دیکر ایک رسالہ اوس ترجمہ کی اصلاح پر لکھا، جس کا نام اصلاح ترجمۂ دہلویہ ہے،

۴- مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی عام اشاعت نے دہلی کے ایک بلند بانگ اخبار نویس مرزا حیرت کو حیرت میں ڈال دیا، اور انھون نے پہلے تو ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ پر اعتراضات شروع کئے، اور پھر اپنا ترجمہ چھپوایا، جس کی نسبت عام طور سے مشہور ہے کہ وہ لکھنؤ کے ایک عالم کا کیا ہوا ہے، لیکن نام سے وہ مرزا صاحب کے چھپا ہے، کیونکہ مرزا صاحب خود عربی سے نابلد تھے، بہرحال مولانا نے اس ترجمہ کے اغلاط کی اصلاح پر بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام اصلاح ترجمۂ حیرت ہے،

۵- بعض معاصر علمار نے اردو مین قرآن شریف پر حواشی لکھے ہین، جن مین ربط آیات کا خاص طور سے لحاظ کیا گیا ہے، اور آیات کو بتاویل و اعتبار سیاسی مسائل پر منطبق کیا ہے، اور اس تاویل و اعتبار مین کہین کہین حد اعتدال سے قدم باہر نکل گیا ہے، مولانا نے ان تاویلات بعیدہ پر تنبیہات لکھین جن کا نام التقصیر فی التفسیر ہے،

۶- لاہور کے ایک بزرگ نے قرآنی مطالب کو کئی جلدون مین تفصیل البیان فی مقاصد القرآن کے نام سے جمع کیا ہے، اس کے مؤلف کی درخواست پر اُس مین جو شرعی نقائص نظر آئے وہ مولانا نے الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان کے نام سے ظاہر فرمائے،

۷- مولانا کے خاندان کی بعض لڑکیون نے مولانا سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا، اور اکثر آیات کی تفسیر و تقریر کو ضبط تحریر میں کر لیا تھا، وہ ایک مجموعہ ہو گیا، اور اس کا نام تقریر بعض البنات فی تفسیر بعض الآیات رکھا مگر چھپا نہین

۸- رفع البناء فی نفع السماء، اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً کی تفسیر ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے کیا کیا فائدے ہین، یہ درحقیقت ایک سوال کے جواب مین ہے،

۹- احسن الاثاث فی النظر الثانی فی تفسیر المقامات الثلث، سورہ بقرہ کی تین آیتون کی تفسیر پر نظر ثانی فرمائی ہے،

۱۰- اعمالِ قرآنی، قرآن مجید کی بعض آیات کے خواص جو بزرگون کے تجربون مین آئے، ان کو بیان کیا گیا ہے،

۱۱- خواص فرقانی، اس کا موضوع بھی وہی ہے، اس کا ایک اور حصہ ہے جس کا نام آثار تبیانی ہے، ان رسائل سے مقصود عوام کو ناجائز غیر شرعی تعویذ، گنڈون اور عملیاتِ سفلی سے بچا کر قرآنی آیات کے خواص کی طرف ملتفت کرنا ہے، اور اس قسم کے بعض خواص احادیث مین بھی مروی ہین،

۳- علوم القرآن

علوم قرآن کے متعلق مختلف مباحث و مسائل تو مولانا کی ساری تصانیف، مواعظ، ملفوظات اور رسائل مین ملتے ہین، اگر ان کو کوئی یکجا کر دے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو جائے، مگر ان پر مستقل طور پر بھی بعض کتابین تصنیف فرمائی ہین، جن مین سے اول سبق الغایات ہے،

ا- سبق الغایات فی نسق الآیات، یہ قرآن پاک کے آیات و سور کے ربط و نظم پر عربی مین ۱۵۶ صفحون کی کتاب ہے، جس کو ۱۳۱۶ھ میں ڈھائی مہینون مین تصنیف فرمایا، اس میں مولانا نے سورۂ فاتحہ سے سورۃ الناس تک تمام سورتون اور ان کی آیتون کے ربط پر کلام فرمایا ہے، اور اس کا بڑا حصہ امام رازی کی تفسیر کبیر اور مفتی ابو سعود بغدادی المتوفی ۹۵۱ھ کی ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم سے ماخوذ و مستنبط ہے، جس کی تصریح کتاب کے دیباچہ میں کر دی گئی ہے، ان دو کے علاوہ مولانا نے خود اپنے اضافون کو "قال المسکین" لکھکر بیان فرمایا ہے، یہ حصہ بھی اچھا خاصہ ہے، اور اخیر کی سورتون مین زیادہ تر اضافات ہی ہین، جن مین مؤلف نے ان سورتون کے موضوع اور عمود کی تعیین فرمائی ہے، چونکہ یہ امور زیادہ تر ذوقی ہین، اس لئے ان ذوقیات کی نسبت ہمیشہ رائین مختلف ہو سکتی ہین، تاہم ان سے مولانا کے ذوقِ قرآنی کا اندازہ بہت کچھ ہو سکتا ہے،

تفسیر البیان مین بھی ربط و نظم پر گفتگو التزام کے ساتھ کی گئی ہے،

ذوق ربط آیات | مولانا کے ذوق ربط آیات و سور کا حال چونکہ عام طور سے لوگوں کو معلوم نہین، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے مواعظ مین سے دو قول نقل کر دیے جائین جن سے ان کا ذوق اور ان کے بعض اصول ربط

واضح ہوجائیں، سبیل النجاح ص ۹ میں فرماتے ہیں[1]

۸۸- جواب اس شبہ کا کہ مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان ارتباط کا لحاظ کیا ہی نہیں

"اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں باوجود طرز تصنیف اختیار نہ کرنے اور شفقت کا طرز اختیار کرنے کے پھر بھی ربط کا لحاظ کیا گیا ہے، اس لئے مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع نہیں ہیں، اور اس ربط کو ملحوظ فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ ترتیب نزول آیات اور ہے اور ترتیب تلاوت مصحف اور ہے، یعنی قرآن کا نزول تو واقعات کے موافق ہوا، کہ ایک واقعہ پیش آیا اور اس کے متعلق ایک آیت نازل ہوگئی، پھر دوسرا واقعہ پیش آیا تو دوسری آیت نازل ہوگئی، وعلیٰ ہذا، تو ترتیب نزول توحسب واقعات ہے، اگر تلاوت میں بھی یہی ترتیب رہتی، تو واقعی ربط کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن ترتیب تلاوت خود جناب باری تعالیٰ عز اسمہ نے بدل دی، یعنی حدیث میں آتا ہے، کہ جب کوئی آیت کسی واقعہ کے متعلق نازل ہوتی تو جبرئیل علیہ السلام بحکم خداوندی حضورؐ سے یہ کہتے کہ آیت کو مثلاً سورہ بقرہ کی فلاں آیت کے بعد رکھا جاوے، اور اس کو فلاں آیت کے بعد، اور اس کو فلاں سورۃ کے ساتھ، وعلیٰ ہذا، تو مصحف میں ترتیب آیات، ترتیب نزول پر نہیں، بلکہ اس کی ترتیب حق تعالیٰ نے دوسری رکھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کو بھی کسی آیت کے ساتھ ملایا گیا ہے، دونوں میں کوئی مستقل ربط اور مناسبت اور تعلق ضرور ہے کیونکہ اگر اب بھی دونوں میں کوئی ربط نہ ہوا تو ترتیب نزول کا بدلنا مفید نہ ہوگا" (سبیل النجاح ص ۹)

پھر اسی کتاب کے ص ۲ میں ارشاد ہے[2]

۸۷- قرآن کریم بے ترتیب اور غیر مرتبط کلام نہیں ہے

"قرآن میں ہر پہلو کی ایسی رعایت ہے کہ کسی کلام میں ویسی رعایت نہیں ہے" قرآن میں صرف ضابطہ کو پورا نہیں کیا گیا، اس مضمون کو آپ سہولت سے یوں سمجھیں گے کہ حکام دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو بعض ضابطہ کے پابند ہیں، ضابطہ کی رو سے جو کام ان پر واجب ہو وہ کردیا، اور قانون کے موافق رعایا پر احکام لازم کردیئے، ان کو اس کی ضرورت

[1] منقول از اشرف الجواب شفاء المرتاب حصہ سوم صفحہ ۲۹۶ و ۲۹۶ ، ۵۲ ، صفحہ ۲۹۳ تا ۲۹۶،

نہیں کہ دشوار احکام کو قانون سے خارج کریں یا انکے سہل و یا آسان کرنے کی تدبیر بتائیں، دوسرے وہ حکام ہیں جن کو رعایا سے محبت ہوتی ہے، اور مخلوق کو راحت پہنچانا چاہتے ہیں، اور حتی الامکان قانون میں کوئی دشوار حکم داخل نہیں کرتے، اور اگر کسی مصلحت سے کوئی دشوار حکم رکھتے بھی ہیں تو رعایا کو اس کے سہل کرنے کی تدبیر بھی بتلاتے ہیں، اور اس تجویز میں ان پر تعب ضرور ہوتا ہے، مگر یہ شفقت پر مبنی ہے، اتنی رعایتیں وہی حاکم کرسکتا ہے جس کو رعایا پر شفقت ہو، اسی طرح ایک اور مثال سمجھئے، کہ نصیحت کرنے والا ایک تو استاد ہوتا ہے، اور ایک باپ ہوتا ہے، باپ کی نصیحت میں عام لوگوں کی نصیحت سے فرق ہوتا ہے، اُستاذ تو ضابطہ پری کردیتا ہے، مگر باپ ضابطہ پری نہیں کرسکتا، وہ نصیحت کرتے ہوئے اس کا خیال رکھتا ہے کہ بیٹے کو ایسے عنوان اور ایسے طرز سے نصیحت کروں جو اس کے دل میں گھر کرلے، کیونکہ وہ دل سے یہ چاہتا ہے کہ اس کے بیٹے میں کوئی کمی نہ رہ جائے، اور اگر وہ کوئی مشکل کام بھی بتلاتا ہے، تو اس طریقہ کو وہ اختیار کرتا ہے، جس سے بیٹے کو عمل آسان ہوجاوے، اور ان سب رعایتوں کا منشا، وہی شفقت ہے، شفقت ہی کے ساتھ تمام پہلوؤں کی رعایت کیجاسکتی ہے، اور اسی لئے باپ کا کلام نصیحت کے وقت کبھی بے ربط اور بے ترتیب بھی ہوجاتا ہے، مثلاً باپ بیٹے کو کھانا کھاتے ہوئے نصیحت کرے، کہ بُری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے، اور اس مضمون پر وہ مفصل گفتگو کر رہا ہو اسی درمیان میں اس نے دیکھا کہ بیٹے نے ایک بڑا سا لقمہ کھانے کو لیا ہے، تو وہ فوراً پہلی نصیحت کو قطع کرکے کہے گا کہ یہ کیا حرکت ہے، لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے، اس کے بعد پھر پہلی بات پر گفتگو شروع کردے گا، اب جس کو شفقت کی اطلاع نہ ہو وہ کہے گا کہ یہ کیسا بے ترتیب کلام ہے، بُری صحبت سے منع کرنے میں لقمہ کا کیا ذکر، مگر جو شخص کبھی کسی کا باپ بنا ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ بے ترتیب کلام مرتب و مرتبط کلام سے افضل ہے، شفقت کا مقتضا یہی ہے، کہ ایک بات کرتے ہوئے اگر دوسری بات کی ضرورت ہو تو ربط کا لحاظ نہ کرے، دوسری بات کو بیچ میں رکھکر پھر پہلی بات کو پورا کرے، یہی راز ہے اس کا کہ خدائے تعالیٰ کا کلام ظاہر میں بے ربط بھی معلوم ہوتا ہے، اس ظاہری بے ربطی کا منشا شفقت ہی ہے کہ حق تعالیٰ مصنفین کی طرح گفتگو نہیں کرتے، کہ ایک مضمون پر کلام شروع ہو تو دوسرے باب کا کوئی مضمون

اس میں نہ آسکے، بلکہ وہ ایک نئے مضمون کو بیان فرماتے ہوئے اگر کسی دوسرے امر پر تنبیہ کی ضرورت دیکھتے ہیں، تو شفقت کی وجہ سے درمیان میں فوراً اس پر بھی تنبیہ فرما دیتے ہیں، اس کے بعد پھر پہلا مضمون شروع ہو جاتا ہے چنانچہ ایک آیت مجھے یاد آئی، جس پر لوگوں نے غیر مرتبط ہونے کا اعتراض کیا ہے، سورہ قیامتہ میں حق تعالیٰ نے قیامت کا حال بیان فرمایا ہے، کہ انسان اُس وقت بڑا پریشان ہوگا، اور بھاگنے کا موقع ڈھونڈے گا، اپنے اعمال پر اُسے اطلاع ہوگی، اُس روز اس کو سب اگلے پچھلے کیے ہوئے کام جتلا دیئے جائیں گے، پھر فرماتے ہیں بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ (یعنی انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا، بلکہ اُس دن) انسان اپنے نفس (کے احوال و اعمال) سے خوب واقف ہے کیونکہ اس وقت حقائق کا انکشاف ضروری ہو جائے گا) اگرچہ وہ (باقتضائے طبیعت) کتنے ہی بہانے بنائے، جیسے کفار کہیں گے، واللہ ہم تو مشرک نہ تھے، مگر دل میں خود بھی جانیں گے، کہ ہم جھوٹے ہیں، غرض انسان اُس روز اپنے سب احوال کو خوب جانتا ہوگا، اس لئے یہ جتلانا محض قطع جواب اور اتمام حجت اور دھمکی کے لئے ہوگا، نہ کہ یاد دہانی کے لئے،

یہاں تک تو قیامت ہی کے متعلق مضمون ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ اسکا مطلب یہ ہے کہ حضور کو ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن نازل ہوتے ہوئے اس کے یاد کرنے کے خیال سے زبان نہ ہلایا کیجئے، ہمارے ذمہ ہے آپ کے دل میں قرآن کا جما دینا اور زبان سے پڑھوا دینا، تو جب ہم قرآن نازل کریں اس وقت فرشتہ کی قرات کا اتباع کیجئے، پھر بھی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ قرآن کا مطلب بھی بیان کر دیں گے، اس کے بعد پھر قیامت کا مضمون ہے، کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ، کہ تم لوگ دنیا کے طالب ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو، پھر فرماتے ہیں وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ، بعضوں کے چہرے اُس دن تر و تازہ ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے، الخ تو لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ سے اوپر بھی قیامت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی اس کا ذکر ہے، اور درمیان میں یہ مضمون ہے، کہ قرآن پڑھتے ہوئے جلدی یاد کرنے کے لئے زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے، لوگ اس مقام کے

ربط میں تھک گئے ہیں، اور بہت سی توجیہات بیان کی ہیں، مگر سب میں تکلف ہے، اور کسی نے خوب کہا ہے، "کلامے کہ محتاجِ یعنی باشد لایعنی است" تو جس کو حق تعالیٰ کے اس تعلق کا علم ہے جو حق تعالیٰ کو حضور کے ساتھ ہے، اس کو آفتاب کی طرح نظر آتا ہے، کہ اس کلام کا درمیان میں کیا موقع ہے، صاحبو اس کا وہی موقع ہے، جیسے وہ باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا، کہ بُری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے، اور اس کے مفاسد بیان کر رہا تھا، کہ درمیان میں بیٹے کو بڑا سا لقمہ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا یہ کیا حرکت ہے، لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے، تو ظاہر میں لقمہ کا ذکر ترتیب کلام سے بالکل بے ربط ہے، لیکن جو باپ ہوا ہوگا، وہ جانے گا کہ نصیحت کرتے کرتے درمیان میں لقمہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ لڑکے نے بڑا لقمہ لیا تھا، باپ نے فرط شفقت سے درمیان کلام میں اس پر بھی تنبیہ کر دی، اسی طرح یہاں بھی حق تعالیٰ قیامت کا ذکر فرما رہے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ کہیں یہ آیتیں ذہن سے نہ نکل جائیں، جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے، تو درمیان میں خدا تعالیٰ نے فرط شفقت سے اس کا بھی ذکر فرما دیا، کہ آپ یاد کرنے کی فکر نہ کریں، یہ کام ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، آپ بے فکر ہو کر سنتے رہا کریں، قرآن آپ کے دل میں خود بخود محفوظ ہو جائے گا تو اُس مضمون کو درمیان میں ذکر فرمانے کی وجہ فرط شفقت ہے، اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ اگر یہاں بالکل بھی ربط نہ ہوتا تو یہ بے ربطی ہزار ربط سے افضل تھی، مگر پھر بھی باوجود اس کے یہاں ایک مستقل ربط بھی ہے، اور یہ خدا کے کلام کا اعجاز ہے کہ جہاں ربط کی ضرورت نہ ہو وہاں بھی کلام میں ربط موجود ہے"۔ (سبیل النجاح ص ۶)

۲- اشرف البیان لما فی علوم الحدیث والقرآن، مولانا کے چند مواعظ سے اون کے ایک معتقد و خادم نے اون اقتباسات کو یکجا کر دیا ہے جن میں آیاتِ قرآنی اور احادیث کے متعلق لطیف نکات و تحقیقات ہیں، افسوس ہے کہ اس کام کو اگر زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کیا جاتا تو کئی حصے اس کے مرتب ہو سکتے تھے،

۳- دلائل القرآن علی مسائل النعمان، مولانا کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا، وہ ظاہر ہے، ان کا مدت سے خیال تھا کہ احکام القرآن ابوبکر جصاص رازی اور تفسیرات احمدیہ ملا جیون

کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوق قرآنی سے ان آیات اور ان کے متعلق مباحث و دلائل کو یکجا کردیں جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط و اخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پاسکا، آخر میں یہ خدمت انھوں نے اپنے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ ان کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں، چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہوگئے، ابھی حال میں جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے، تو خانقاہ امدادیہ میں جاکر خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکتے ان کو یاد آجاتے تھے بیان فرماتے، اور جناب مفتی صاحب اس کو اپنے مقام پر آکر قلمبند فرمالیتے، یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی، کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا، اور کام ناتمام رہ گیا، امید ہے کہ مفتی صاحب اس کام کو جاری رکھیں گے، اور انشاء اللہ تعالیٰ اتمام کو پہنچائیں گے،

مولانا عبد الباری صاحب ندوی کی روایت میں نے سنی ہے جن کو خود بھی ماشاء اللہ قرآن پاک کے فہم کا ذوق ہے، وہ نقل کرتے تھے کہ مجلس میں مولانا ان آیات پر جب گفتگو فرماتے تھے، اور فقیہانہ دقت نظر سے کسی حنفی مسئلہ کی صحت پر استدلال کرتے تھے تو اچنبھا ہوتا تھا، کہ یہ مسئلہ اس میں موجود تھا، لیکن اب تک اس حیثیت سے نظر نہیں پڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا، اسی کے ساتھ وہ مفتی صاحب موصوف کے حافظہ کی تعریف کرتے تھے، کہ مولانا سے سنکر اپنے مستقر پر پہونچ کر اس کو بعینہ اسی طرح قلمبند کرلیتے تھے، جس طرح مولانا نے اس کی تقریر فرمائی تھی،

۴۔ تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبارات، تفسیر بیضاوی میں حروف مقطعات کا جو مجمل و مغلق بیان ہے، اس رسالہ میں بزبان عربی اس کو آسان کرکے بیان کیا گیا ہے، جس سے حروف مقطعات کی تاویل کا ایک طریق معلوم ہوتا ہے،

۵-۶، مولانا کے دو رسالے علم القرآن سے متعلق اور ہیں، اور ان دونوں کا تعلق سلوک سے ہے، ایک کا نام مسائل السلوک من کلام ملک الملوک اور دوسرے کا نام تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ ہے، ان

دونوں رسالوں کا موضوع قرآن پاک کی اُن آیتوں کی تفسیر ہے جن سے سلوک کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، اس دوسرے رسالہ کی بنا ایک سابق مولف کی تالیف ہے جس کا قلمی رسالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۲۶ھ میں بھاولپور میں ملا تھا، اس پر مزید اضافہ کرکے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے،

۳۔ علوم الحدیث

حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کو علوم حدیث میں جو مہارت حاصل تھی، اس کی شہادت ان کے مواعظ و رسائل و تالیفات کے ہزاروں صفحات دے رہے ہیں، جن میں بے شمار احادیث کے حوالے اشارے اور تلخیصات ان کے مشکلات کی شرح، ان کے دقیق مطالب کے حل اور ان کے نکات و لطائف کا بیان ہے، خصوصیت کے ساتھ شیخ کے مواعظ میں جو زبانی تقریریں ہیں برمحل حدیثوں کے حوالے اور اکثر احادیث کے بعینہ الفاظ مع ان کی تخریجات اور کتابوں کے حوالوں کے اس کثرت سے آئے ہیں، کہ ان کو دیکھکر کسی انصاف پسند کو ان کے حافظ الحدیث ہونے میں شبہہ نہیں ہوسکتا،

اس کے بعد اُن کی ان تصانیف کو دیکھئے جو گو فقہ و فتاویٰ اور احکام و مسائل یا اصلاحِ رسوم اور سلوک میں ہیں، لیکن ان کی بنیاد احادیث پر ہے، اُن میں احادیث کے حوالے دلائل کی مضبوطی اور صحتِ بیان کی تائید و شہادت کے لئے آئے ہیں، جو مؤلف کے علم و معرفت پر دلیل قاطع ہیں،

حضرت حکیم الامۃ کو فن سلوک کی تجدید کی جو توفیق عنایت ہوئی تھی، اس کا ایک مبارک اثر یہ ہے کہ حضرت نے احادیث کی کتابوں سے اُن تمام حدیثوں کو یکجا فرمایا جن میں اس فن شریف کے مسائل متفرق تھے، اگرچہ بعض حضرات محدثین نے اپنی کتابوں میں بعض ابواب زہد و رقاق کا تذکرہ کیا ہے، تاہم ان کی حیثیت فن کی نہیں، قدما میں سے صرف ایک بزرگ حضرت امام عبد اللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ کا نام ہم کو معلوم ہے، جنھوں نے کتاب الزہد والرقاق کے نام سے مستقل تصنیف فرمائی ہے، مگر یہ ہیچمدان اس کی زیارت سے محروم رہا ہے، اس لئے اس کی نسبت کچھ عرض نہیں کرسکتا، مگر قیاس یہ ہے کہ وہ ابن ابی الدنیا کی کتاب کی طرح زہد و رقاق اور مذمت دنیا

کے مضامین کی احادیث پر مبنی ہوگی،

اہلِ سلوک نے جن روایات احادیث سے کام لیا ہے وہ عموماً ضعیف بلکہ موضوع تک ہین، اسی لئے علمائے سلوک کو اس فن مین کمزور سمجھا گیا ہے، اور اسی بنا پر اہلِ حدیث در روایت نے یہ بر خود غلط خیال قائم کر لیا ہے کہ فنِ سلوک اور اس کے مسائل احادیثِ نبوی سے ثابت نہیں، اور صدیون سے ان کا یہ اعتراض قائم تھا، گو بعض محدثین نے ادھر توجہ فرمائی، اور اس سلسلہ مین کچھ کام انجام دیا، مثلاً امام ابن ابی جمرہ اندلسی المتوفی سنہ ۶۹۹ھ نے صحیح بخاری کی شرح بہجۃ النفوس کے نام سے لکھی، جس کی پہلی جلد چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس مین اس کا التزام کیا ہے کہ احادیث کی شرح مین سلوک کے مسائل و نکات کی طرف بھی اشارے کرتے جائین،

حضرت حکیم الامۃ نے اس کام کو مستقل طور سے انجام دیا، اور حقیقۃ الطریقہ من السنۃ الانیقۃ التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف کے نام سے دو کتابین تالیف فرمائین،

حقیقۃ الطریقہ سنہ ۱۳۲۷ھ مین تالیف پائی ہے، اور یہ درحقیقت حضرت کی کتاب التکشف عن مہمات التصوف کا آخری جزء ہے، اور ساتھ ہی مستقل تصنیف بھی ہے، اس مین تین سو تیس احادیث سے جو عموماً صحاح مین مذکور ہین سلوک و تصوف کے مسائل کو مستنبط کیا گیا ہے، اور ان کو اخلاق، احوال، اشغال، تعلیمات، علامات، فضائل، عادات، رسوم، مسائل، اقوال، توجیہات، اصلاح اور متفرقات کے دس ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، یہ اہلِ علم کے مطالعہ کی خاص چیز ہے،

التشرف یہ کتاب چار حصون مین ہے، ان مین اُن احادیث کی تحقیق ہے جو تصوف کی کتابون مین یا صوفیہ کے کلام مین آتی ہین، اور یہ دکھایا ہے کہ اصول و فنِ حدیث کے رو سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے، اور حدیث کی کس کتاب مین ہے؛ در حجہ روایات ان مین دراصل حدیث نہ تھین، بلکہ عوام نے غلط فہمی سے ان کو حدیث سمجھ رکھا ہے، اگر وہ اقوال نتیجہ کے طور پر کسی دوسری حدیث یا آیت پاک سے ثابت ہین تو ان احادیث و آیات اور اُن سے ان اقوال کی صحت کے طریق و استنباط پر گفتگو فرمائی،

حصہ اول تشرف مین امام غزالی کی احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج ہے، اس حصہ کا ماخذ زیادہ تر امام عراقی کی تخریج احیاء العلوم ہے، جس کا حوالہ دیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ احادیث کی دوسری کتابین ہین جن کا ماخذ ہر روایت کے ساتھ بتایا گیا ہے، یہ حصہ سنہ ۱۳۴۱ھ مین لکھا گیا ہے،

حصہ دوم مین دفتر اول مثنوی مولانا روم اور اسکی شرح کلید مثنوی مین آئی ہوئی احادیث و روایات کی تخریج کی گئی ہے، ان احادیث کی تحقیقات زیادہ تر امام سخاوی کی المقاصد الحسنۃ سے التقاط کی گئی ہے، یہ حصہ سنہ ۱۳۴۹ھ مین زیرِ قلم آیا،

حصہ سوم و چہارم ان دونون حصون مین حافظ سیوطی کی جامع صغیر سے جو احادیث کی ساری کتابون کا بہ ترتیب حروف تہجی مجموعہ ہے، اُن احادیث کو یکجا کیا گیا ہے جن سے مسائلِ سلوک مستنبط ہین، اور ان کو بہ ترتیب حروفِ تہجی ترتیب دیا گیا ہے، ساتھ ہی تحقیقات خاصہ کا جابجا اضافہ اور احادیث کے مطالب کی تشریح و تطبیق اور بعض مشکلات کا حل کیا گیا ہے، حصہ سوم صرف الف کی روایتون پر مشتمل ہے، اور سنہ ۱۳۵۱ھ مین ترتیب پایا ہے، اور حصہ چہارم مین بقیہ حروف کی روایتین ہین، اور وہ محرم سنہ ۱۳۵۲ھ مین تکمیل کو پہنچا ہے،

جامع الآثار حضرات اہلِ حدیث کے اُس فرقہ کی طرف سے جو غالی ہے، اکثر حضراتِ حنفیہ پر یہ طعن کیا گیا ہے کہ حنفی مسائل کی تائید مین احادیث بہت کم ہین، اور چونکہ کتبِ حدیث زیادہ تر محدثین اور حضرات شوافع کی تالیف ہین، اس لئے ان مین حنفیہ کی مؤید حدیثین یکجا نہیں ہین، گو امام محمد کی موطا اور آثار اور قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار اور مسند ابی حنیفہ مرتبۂ خوارزمی اور امام طحاوی کی تصانیف سے ان کا جواب دیا جاتا رہا ہے، مگر کتبِ صحاح و مسانید و مصنفات سے جو رائج اور محدثین مین مقبول ہین چن کر اُن احادیث و روایات کو یکجا نہین کیا گیا تھا جن سے مسائلِ حنفیہ کی تائید ہوتی تھی،

یہ ضرورت گو ہمیشہ سے تھی، مگر اس زمانہ مین اہلِ حدیث کے ظہور و شیوع سے اس ضرورت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، چونکہ اس تحریک کا آغاز پورب (عظیم آباد پٹنہ) سے ہوا، اسی لئے اس ضرورت کا احساس

بھی پہلے یہین کیا گیا، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد بن علی ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی نے آثار السنن کے نام سے کتب حدیث سے التقاط کرکے اس قسم کی حدیثون کو شائع کیا، اس کے دو ہی حصے شائع ہو سکے، اس کا دوسرا حصہ ۱۳۲۱ھ مین شائع ہوا، علمائے احناف نے اس کتاب کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا، یہان تک کہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ مین مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس تھے، اس کی مدح مین عربی قصیدے لکھے، افسوس ہے کہ مولانا نیموی کی وفات سے ان کا یہ کام ناتمام رہا،

احیاء السنن حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور احیاء السنن کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا، اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر رکھی، لیکن افسوس کہ اس کا مسودہ ضائع ہو گیا،

جامع الآثار کچھ دنون کے بعد پھر اس موضوع کا خیال آیا، اور دوبارہ ایک جدید اسلوب پر اس قسم کی حدیثون کا مجموعہ جامع الآثار کے نام سے مرتب فرمایا، لیکن یہ سلسلہ ابواب الصلوٰۃ سے آگے نہین بڑھا، تاہم جتنا مرتب ہو گیا، وہ چھپ کر شائع ہو گیا،

تابع الآثار یہ بھی اسی موضوع پر ہے، اور اس کو جامع الآثار کا ضمیمہ بنایا گیا،

احیاء السنن کا احیاء ۱۳۳۱ھ مین یہ خیال ہوا کہ یہ کام اتنا بڑا ہے، کہ حضرت والا خود اس کام کو تنہا انجام نہین دے سکتے، اس لئے یہ قرار پایا کہ اس کے لئے بعض مستعد علماء کو رکھکر کام لیا جائے، چنانچہ مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا، اونھون نے کام شروع کیا، جو کام وہ کرتے جاتے مولانا کی نگاہ سے گذارتے جاتے تھے، اس طور سے کتاب الحج تک کام ہوا، اور اس کا نام دوبارہ احیاء السنن رکھا گیا، تاکہ مرحوم احیاء السنن کی یادگار ہو، اس کے دو حصے شائع ہوئے تھے کہ بعض اسباب سے اس کتاب کے بعض مضامین سے مولانا کی تشفی نہیں ہوئی، اور اس پر استدراک لکھوانے کا خیال ہوا، اور آئندہ کام کے لئے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا انتخاب ہوا،

الاستدراک الحسن مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ کے زیر ہدایت اس کام کو بڑی دیدہ ریزی، وسعت نظر اور تحقیق و تنقید کے ساتھ انجام دینا شروع کیا، سب سے پہلے احیاء السنن کے شائع شدہ حصہ پر دوبارہ نظر کرکے اسکو الاستدراک الحسن کے نام سے شائع کیا گیا،

اعلاء السنن اس کے بعد احیاء السنن کے نام کو بدل کر اعلاء السنن کے نام سے اس کام کو شروع کیا گیا، اور اس وقت تک اس کی بارہ جلدین شائع ہو چکی ہین، جن مین مذہب حنفی کی مؤید حدیثون کو بڑے استیعاب کے ساتھ جمع کیا گیا، اور محدثین اور اہل فن کی تحقیقات اوس کے شروح و حواشی مین یکجا کئے گئے ہین، امید ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب ابھی اس سلسلہ کو جاری رکھکر بانی اول کے حق مین صدقۂ جاریہ کا باعث بنین گے،

الخطب الماثورہ من الآثار المشہورہ جمعہ و عیدین کے خطبون مین اس درجہ تکلف و تصنع اور مضامین کے ابتذال سے کام لیا گیا ہے، کہ یہ بازاری خطبے زبان اور طرز ادا اور مضامین و مطالب کے لحاظ سے عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے اسلوب سے ہٹ کر بلغاء اور خطباء کے اظہار قابلیت کا دنگل بن کر رہ گئے ہین، حکیم الامۃ کی اصلاحی نظر سے محراب و منبر کا یہ گوشہ بھی مخفی نہین رہا، چنانچہ الخطب الماثورہ من الآثار المشہورہ کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبات کو احادیث صحیحہ سے انتخاب فرما کر ایک جگہ جمع کر دیا، تاکہ خطباے مساجد ان مسنون خطبون کو پڑھکر ان تکلفات باردہ کے گناہ سے محفوظ رہین،

خطبات الاحکام جمعہ اور عیدین کے بچاس خطبون کا یہ مجموعہ تالیف فرمایا، جس مین احادیث و آثار و آیات سے ترغیب و ترہیب کے مضامین کے علاوہ عقائد و اعمال و اخلاق کے مضامین درج فرمائے،

مناجاۃ مقبول احادیث میں وارد شدہ اوراد و اذکار مسنونہ کے لئے حصن حصین و حزب اعظم ملا علی قاری وغیرہ کتابین رواج پذیر ہین، مگر وہ طویل ہونے کی وجہ سے سب کے کام کی نہین، حضرت حکیم الامۃ نے عام مسلمانون کے فائدہ کے لئے ان سب سے تلخیص کرکے مناجات مقبول قربات عند اللہ و صلوات الرسول کے نام سے ایک مختصر مجموعہ تالیف فرمایا ہے، جو اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بیحد مقبول ہے،

۵ - علوم الفقہ

حضرت حکیم الامۃ کو مسائلِ فقہیہ کی تلاش و تحقیق کا خاص ذوق تھا، اور یہ ذوق ان کو اپنے شیوخ واساتذہ کرام سے ورثہ مین ملا تھا، چنانچہ ابھی وہ تعلیم سے فارغ بھی نہین ہوئے تھے، کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے فتوی نویسی کی خدمت لینی شروع کر دی تھی، اگر حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ کی فقہی خدمات کا آغاز ۱۳۰۱ھ سے بھی کیا جائے تو ۱۳۶۲ھ تک بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہو کہ پوری ساٹھ سال اس فن شریف کی خدمت مین بسر کئے، اس طویل عرصہ مین ہزارون مسئلون کے جواب دیئے، ہزارون فتوے اور سیکڑون چھوٹے بڑے فقہی رسالے لکھے، متعدد ضخیم جلدون مین امداد الفتاوی اور تتمۂ امداد الفتاوی کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی کے مجموعے جمع کئے گئے، جس کی نظیر ہندوستان مین کم از کم نہین ملتی، وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء،

حوادث الفتاوی کے نام سے ان فتاوی کا مجموعہ ہے جو اس زمانہ کے نئے مسائل اور نئے مصنوعات سے متعلق ہین، جن کے جوابات گذشتہ کتب فتاوی سے بآسانی حاصل نہین کئے جاسکتے،

بہشتی زیور کی دس جلدین جو گو عورتون کے ضروریات کے لئے ہین، مگر ان مین تمام ابواب فقہیہ کے مسائل مندرج ہین، جن کے جوابات ہندوستان کے حالات اور ضروریات اور اصطلاحات کے مطابق صرف انہی کتابون سے معلوم ہو سکتے ہین،

ترجیح الراجح یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلف صالحین مین تو ملے گی، مگر متاخرین کے یہان یہ سلسلہ بالکل مسدود ہے، اس مجموعہ مین حضرت حکیم الامۃ نے اپنے ان مسائل کو جمع فرما دیا ہے، جن مین از خود یا کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامح نظر آیا، تو اس سے رجوع فرما کر مسئلہ کی مزید تحقیق فرما کر تصحیح کر دی، یہ سلسلہ حضرت کی انصاف پسندی، تواضع اور عدم نفسانیت کا بین ثبوت ہے، یہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات تابعین

وتبع تابعین اور مجتہدینِ عظام کا طریق تھا، جس کو اس زمانہ مین حضرت حکیم الامۃ رنے زندہ کیا، اور اپنے کو بارِ آخرت سے بچایا،

فتاوی اشرفیہ کے نام سے مسائل دینیہ کے تین حصے الگ شائع ہوئے جو مختصر رسائل ہین،

بہشتی گوہر، بہشتی زیور کے سلسلہ کا مردانہ حصہ ہے جس مین خاص طور سے ان مسائل کا بیان ہے جو مردون سے خاص ہین، جیسے جمعہ، جماعت، عیدین وغیرہ،

ان کے علاوہ مسئلہ حجاب، مسئلہ ربا، مسئلہ رشوت، مسئلہ بنک، سینما اور فلم اور ریڈیو وغیرہ کے مسائل پر فقہی تحقیقات ہین، اور بعض موضوعون پر بار بار کئی رسالے تالیف فرمائے،

۶ - علم کلام

علم کلام وعقائد و توحید پر متعدد رسالے قلم بند فرمائے، جو شائع و ذائع ہین، خاص نئے زمانہ کے حالات کا خیال کر کے خود چند کتابین تالیف فرمائین، اور دوسرون سے ترجمہ کرائین، مثلاً

اسلام اور سائنس کے نام سے الحصون الحمیدیہ کا مولانا اسحاق صاحب سے ترجمہ کرایا، یہ عربی کی ایک جدید کلامی تصنیف ہے، اس کے مصنف علامہ جسری ہین جنھون نے سلطان عبد الحمید خان کے عہد مین اس کو ملک شام مین تصنیف فرمایا تھا اور علمی حلقون مین بہت پسند کیا گیا تھا، اس کی خاص صفت یہ ہو کہ اس مین تاویل فاسد کا دروازہ نہین کھولا گیا ہے،

المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ تین حصون مین ترتیب پایا ہے، جس مین اسلامی احکام و مسائل کے مصالح و حکم بیان کئے گئے ہین، پہلے حصہ مین نماز و زکوۃ، دوسرے مین روزہ، عیدین، صدقۂ فطر، قربانی، حج، نکاح وطلاق و غلامی وغیرہ کے مسائل کی حکمتین بیان کی گئی ہین، تیسرے حصہ مین خرید و فروخت و معاملات، حدود و قصاص، فرائض، عذابِ قبر اور معاد کے متعلق اسلامی تعلیمات کے مصالح ہین،

الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ، یہ بھی علم کلام ہی کا باب ہے، اس مین جدید تعلیم یافتہ

اصحاب کے مذہبی خدشوں اور وسوسوں کے تشفی بخش جوابات درج ہیں،

اشرف الجواب بھی اسی قسم کا ایک مجموعہ ہے جو مواعظ و ملفوظات سے جمع کیا گیا ہے جس میں بہت سے نئے اور پرانے شبہات اور خطرات کے جوابات فراہم کئے گئے ہیں،

۷۔ علم سلوک و تصوف

علم سلوک و تصوف، روح شریعت کا نام ہے، جس میں اخلاص دین اور اعمال قلب کے احکام اور دقائق سے بحث کیجاتی ہے، قدماء صوفیہ نے اس فن پر جو کتابیں لکھی ہیں، مثلاً رسالہ قشیریہ امام قشیری، قوت القلوب ابوطالب مکی، کتاب اللمع ابو نصر عبداللہ بن علی سراج الطوسی کتاب الصدق ابو سعید خزاز، فتوح الغیب شیخ سہروردی اور غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی اور متاخرین میں تصانیف امام شعرانی ان کو پڑھنے سے اس فن کی جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے، افسوس ہے کہ مصنوعی اور دوکاندار صوفیہ اور مبتدعہ کی تلبیس نے اس پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا، کہ وہ کبھی تو بدعات کا مجموعہ، بلکہ بطلان وضلالت کا ذخیرہ معلوم ہوتا ہے، پھر ہندوستان میں ہندوؤں کے جوگ اور ویدانت کے اثر سے اس میں بہت سے ایسے مسائل شامل ہو گئے جو اسلام کی روح کے تمام تر منافی ہیں، حتی کہ وحدت وجود، وحدت شہود، لطائف و دوائر کے مباحث و اعمال بھی اصل فن سے قطعاً الگ ہیں، جو یا تو علم کلام و فلسفہ یا اوہام و خیالات و احوال سے وابستہ ہیں، جن کا تعلق نفسیات سے ہے، اصل شی جو اخلاص فی الدین، طلب رضا، حصول قرب اور اعمال و اخلاق قلب و مقامات ہیں، وہ جن سے مقصود رذائل سے پاکیزگی اور فضائل سے آراستگی ہے تمام تر متروک ہو گیا تھا، صدیوں کے بعد حضرت حکیم الامتہ کے تجدیدی مساعی نے اس فن کو پھر سلف صالحین کے رنگ میں پیش کیا، اور ہر قسم کے اضافوں اور آمیزشوں سے پاک کر کے کتاب و سنت کے نور میں اس تاریک زمانہ کے اندر پھر ظاہر کیا، اور زبان و قلم سے ان مسائل پر اتنا کچھ لکھا، اور بیان فرمایا کہ اب طالب پر اصل طریق کا کوئی گوشہ اندھیرے میں نہیں ہے والحمد للہ!

اس سلسلہ میں پہلی چیز قصد السبیل ہے جو پچاس ساٹھ صفحوں کا مختصر رسالہ ہے، لیکن اس کوزہ میں

دریا بند ہے، فن سلوک کے وہ تمام حقائق و تعلیمات جو سالہا سال میں معلوم ہو سکے ہیں، اور جن کے نہ جاننے سے سالکین و طالبین غلط راستوں پر پڑ کر منزل مقصود کو گم کر دیتے ہیں، اس میں لکھ دیئے گئے ہیں، اگر کوئی طالب صادق صرف اسی ایک رسالہ کی تعمیل و تکمیل میں عمر صرف کر دے تو اس کے لئے انشاء اللہ کافی و وافی ہے،

جاہل پیروں اور دوکاندار صوفیوں نے ایک مسئلہ یہ گھڑا ہے، کہ شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں، اور اس زور شور سے اس کو شہرت دی ہے کہ عوام تو عوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا ہے، حالانکہ یہ تمام تر لغو اور بے معنی ہے، حضرت حکیم الامتہ نے تمام عمر لوگوں کو یہی تلقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے، احکام الٰہی کی باخلاص تمام تعمیل و تکمیل ہی کا نام طریقت ہے، وگر ہیچ، اور یہی خواص امت کا مذہب ہے، اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فن سلوک سے ناآشنا ہے، اس بارگاہ کے ایک حلقہ بگوش کا شعر ہے،

اب تو مے نوشی ہے عین شرع بر فتوائے شیخ
اب وہی ہوگا فقیہ شہر جو مے نوش ہے

حضرت حکیم الامتہ نے اس فن کے مسائل کو سب سے پہلے کلام پاک سے مستنبط فرمایا، اور اس کے متعلق مسائل السلوک من کلام ملک الملوک اور تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ نام دو رسالے تالیف فرمائے ہیں، جن کا ذکر اوپر گذر چکا، پھر ان مسائل سلوک کی تشریح فرمائی، جن کا ماخذ احادیث نبوی اور سنت صحیحہ ہے، اور یہ التشرف بمعرفۃ احادیث حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ میں مدون ہیں،

اہل تحقیق کے لئے اس فن شریف پر ایک جامع کتاب التکشف عن مہمات التصوف تالیف فرمائی جو پانچ حصوں میں منقسم ہے، یہ حقیقت طریقت، حقوق طریقت، تحقیق کرامت اور دیگر مضامین تصوف پر مشتمل ہے، طریق اور سلوک کے اسرار و رموز اس قدر دقیق اور نازک ہیں کہ ذرا ان کے سمجھنے میں بے احتیاطی کی جائے تو ہدایت کے بجائے وہ ضلالت کا ذریعہ بن جائیں، اس [illegible] حضرت مولانا روی کی اپنی کی جو مثنوی معنوی کے نام سے موسوم ہے نواز حقیقت ہی خاص اہمیت ہے اور اسی لئے وہ اس سلسلہ کے اکابر کے خانقاہی درس میں رہی ہے، حضرت حاجی امداد اللہ

رحمۃ اللہ کو اس سے خاص ذوق تھا، اور وہ بھی خاص خاص لوگوں کو اس کا درس دیتے تھے، چنانچہ حضرت حاجی صاحب کے ایما سے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری نے بڑے اہتمام سے اس کا حاشیہ لکھا، اور منشی رحمت اللہ رعد مرحوم کے مطبع نے اس کو چھاپا، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا بحرالعلوم کے بعد مثنوی کی حکیمانہ شرح اس سے بہتر نہین لکھی گئی،

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء مین سے حضرت حکیم الامۃ نے اس مثنوی کی خدمت محض فن کی حیثیت سے فرمائی، سلوک کے مسائل، طریقت کی تعلیمات اور مثنوی کے بیانات کی قرآن و حدیث سے اس خوبی کے ساتھ کلید مثنوی مین تطبیق فرمائی کہ اب فن کا مبتدی بھی چاہے، تو اس کلید کے ذریعہ سے مثنوی کے خزانہ کو کھول سکتا ہے،

دیوان حافظ کی پرجوش و مردافگن شراب نے بھی بہت سے بے احتیاط نوشون کو راہ سے بے راہ کردیا تھا، بدگمانون کو تو اس شرابِ معرفت پر شیراز کے بادۂ انگور کا شبہہ ہوا، اور بے احتیاط خوش گمانون نے اس سے اباحت کی تعلیم حاصل کی کہ

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

حضرت حکیم الامۃ کی معرفت اس تیز و تند شراب کے "منافع و اثم" سے پوری طرح باخبر تھی، حضرت نے عرفان حافظ کے نام سے اس کی ایسی شرح لکھی، کہ اس پھول سے ہر کانٹا الگ ہوگیا،

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

طالبین و سالکین کی تعلیم و تربیت کے لئے تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک کا سلسلہ الگ مرتب فرمایا، جس مین سالکین کے مشکلات راہ، ذاکرین و شاغلین کے شبہات و خطرات راہ کے لیے ہدایات مندرج ہین، یہ کہنا بیجا نہین کہ علوم مکاشفہ و معاملہ کے متعلق کلیات و جزئیات اور احوال شخصی پر ایسی حاوی کتاب کی

نظیر تصوف کے سارے دفتر مین موجود نہین، ۲،۲۰۰ صفحون مین یہ کتاب تمام ہوئی ہے،

ایک دوسرا اہم سلسلہ ملفوظات کا ہے، بزرگون کے ملفوظات مرتب کرنے کی رسم قدیم زمانہ سے قائم ہے، یہان تک کہ چشتیہ حضرات مین حضرت سلطان خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ملفوظات بھی موجود ہین، لیکن افسوس ہے کہ اہل شوق اس کام کو پورے استیعاب سے نہ کرسکے، کیونکہ ان اکابر کے جو ملفوظات قلم بند ہوسکے، وہ چند سال بلکہ چند ماہ سے زیادہ کے نہین ہین، اور نہ ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ لکھنے والون نے ان کو ان بزرگوں کی نظر کیمیا اثر سے گذرانا بھی تھا، تاہم چونکہ لکھنے والے خود اہل کمال و اہل احتیاط تھے، اس لئے ان کی صحت مین کوئی شک نہین کیا جاسکتا، اور وہ اس اختصار پر بھی ہمارے لئے بڑی خیر و برکت کی چیزین ہین،

حضرت حکیم الامۃ کے ملفوظات کا سلسلہ تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل مین مدون ہوا ہے، اور ان مین سے ہر ایک ان کی نظر سے گذر کر چھاپا گیا ہے، اور جن مین اکثر حسن العزیز وغیرہ نامون سے چھپ کر شائع ہوچکے ہین، ان ملفوظات مین بزرگون کے قصے، سنجیدہ لطیفے، قرآن و حدیث کی تشریحات، مسائل فقہیہ کے بیانات، سلوک کے نکتے، اکابر کے حالات، طالبون کی ہدایات و تنبیہات، آداب و اخلاق کے نکات اصلاح نفس و تزکیہ کے مجربات وغیرہ اس خوبی و دلچسپی سے درج ہین کہ اہل شوق کے دل اور دماغ دونون اس آب زلال سے سیراب ہوتے ہین،

۸ - اصلاحیات

حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کے معارف کا یہ آخری باب ہے، اور خاصہ اہم باب ہے مسلمانون کی اصلاح کی جو دقیق نظر ان کو بارگاہ الٰہی سے عنایت ہوئی تھی، اس کا اندازہ ان کی اصلاحی کتابون سے بخوبی ہوسکتا ہے، اصلاح کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بچون، طالب علمون اور عورتون سے لے کر مردون اور علماء و فضلاء کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے، اور سب کے لئے مفید ہدایات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے،

دوسری طرف ان اصلاحات کی وسعت یہ ہے کہ مجالس و مدارس اور خانقاہون سے شروع ہو کر شادی و غمی کے رسوم اور روز مرہ کی زندگی تک کو محیط ہیں، غرض ایک مسلم جدھر اپنی زندگی مین رُخ کرے اُن کے قلم نے شریعت کی ہدایات کا پروگرام تیار کر رکھا ہے،

اس سلسلہ مین حضرت کی سب سے اہم چیز **مواعظ** ہین، واعظ تو بحمد اللہ زمانۂ خیر کے بعد اسلام کی وس بارہ صدیون مین بے شمار گذرے ہون گے، مگر شاید واعظین مین ابن نباتہ اور ائمۂ سلوک مین حضرت شیخ الشیوخ عبد القادر جیلانی رح کے مواعظ کے سوا کوئی دوسرا مستند اور مفید مجموعہ موجود نہین لیکن یہ ان بزرگون کے صرف چند مواعظ پر مشتمل ہین، اللہ تعالی نے اس اخیر دور مین امتِ اسلامیہ کی اصلاح کے لئے بہت بڑا فضل یہ فرمایا، کہ حضرت کے مستفیدین کے دل مین یہ ڈالا کہ وہ حضرت کے مواعظ کو جو شہر بشہر ہوئے ہین عین وعظ کے وقت لفظ بہ لفظ قید تحریر مین لائین، اور حضرت کی نظر سے گذران کر اُن کو دوسرے مسلمانون کے عام فائدہ کی غرض سے شائع کرین، چنانچہ اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ تقریباً چار سو مواعظ جو احکام اسلامی، ردّ بدعات نصائح دلپذیر اور مسلمانون کی مفید تدابیر و تجاویز پر مشتمل ہین، اور جن مین حقائق کے ساتھ ساتھ دلچسپیون کی بھی کمی نہین مرتب ہوے، اور اکثر شائع ہوئے، اور مسلمانون نے اُن سے فائدے اوٹھائے،

سلسلۂ اصلاح و تربیت مین حضرت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً واعظین صرف عقائد و عبادات پر گفتگو فرماتے ہین، حضرت ان چیزون کی اہمیت کے ساتھ مسلمانون کے اخلاق و معاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر زور دیتے ہین، بلکہ اپنی تربیت و سلوک کی تعلیم مین بھی ان پر برابر کی نظر رکھتے تھے، حالانکہ عام مشائخ نے اس اہم سبق کو صدیون سے بھلا دیا تھا،

مواعظ کے علاوہ اس سلسلہ کی اہم کڑی ان کی کتاب حیوٰۃ المسلمین ہے جس میں قرآن پاک و احادیث نبویہ کی روشنی مین مسلمانون کی دینی و دنیاوی ترقی و فلاح کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار ارشاد فرمایا کہ انھون نے اپنی ساری تصنیفات مین اس کتاب کی تالیف مین جو محنت اٹھائی، وہ کسی مین

نہیں پیش آئی، اور اسی لئے یہ بھی ارشاد ہے کہ مین اپنی ساری کتابون مین اس کتاب کو اپنے لئے ذریعۂ نجات گمان کرتا ہون،

اس سلسلہ کی دوسری کتابین اصلاح الرسوم، صفائی معاملات، اصلاح امت، اصلاح انقلاب امت وغیرہ ہین، اور ہر ایک کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانون کی اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی زندگی، خالص اسلامی طریق اور شرعی نہج پر ہو، اور ان کے سامنے وہ صراط مستقیم کھل جائے، جو ہدایت کی منزلِ مقصود کی طرف جاتی ہے،

افسوس کہ اس مضمون کو جس استیعاب اور اہتمام کے ساتھ یہ ہیچمدان لکھنا چاہتا تھا، اپنی علالت و عدم صحت کی سبب سے اُس کو اُس طرح پورا نہ کر سکا، تاہم جو کچھ ہوا وہ اگر مسلمانون کیلئے فائدہ بخش ثابت ہو تو بہت ہے،

طوفانِ اشک لانے سے اے چشم فائدہ دو اشک بھی بہت ہین اگر کچھ اثر کرین

خط و کتابت

کیلئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے پتہ سے اور معارف اور دار المصنفین کے انتظامات اور فرمایشات کے متعلق منیجر صاحب دار المصنفین کے نام سے کی جائے، اور ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل مین دقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائین گے،

سید سلیمان ندوی

تاریخ افکار وسیاسیاتِ اسلامی

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۶)

اس کے بعد مصنف موصوف نے ان تفسیری روایتوں پر تنقید کی ہے، جو ان کے نزدیک اسرائیلی ہین مثلاً اقوام عاد وثمود، ادم، قصص سلیمانی حضرت سلیمانؑ کیلئے ہوا جن اور پرندون کی تسخیر، ان کے نطق، جن، ملائکہ شیاطین سحر ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج وغیرہ کی روایات، یہ تنقیدین اور بحثین مصنف کے ذہن ودماغ کا نتیجہ نہین ہین، بلکہ سر سید احمد خان اور مولوی چراغ علی وغیرہ کی کتابون سے ماخوذ ہین، جن کے مفصل جوابات بارہا دیئے جا چکے ہین، اور ان پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس کے علاوہ ان مین ملائکہ کے سوا اور کسی چیز کا تعلق ارکانِ دین سے نہین ہے، اس لئے ان فرسودہ مباحث مین پڑنا بے کار ہے، اس سلسلہ مین صرف چند باتین کہنی ہین،

بلاشبہہ مذکورۂ بالا امور ومسائل کی بیشتر مروجہ روایات اسرائیلی ہین، اور وہ اتنی کھلی ہوئی ہین کہ انھین ہر صاحب نظر اسانی کے ساتھ پہچان سکتا ہے، اور محدثین نے خود ان کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے، اسلئے ان کو الزام کی صورت مین پیش کرنا صحیح نہین ہے، لیکن اس سلسلہ مین اس کی تصریح کر دینا ضروری ہے کہ گو اسرائیلیات کا بڑا حصہ افسانہ وحکایات، پر مشتمل ہے، اور وہ بالاتفاق سب کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے لیکن اس مین گذشتہ انبیاء ورسل علیہم السلام اور ان کی امتون خصوصاً یہود ونصاریٰ کے متعلق بعض صحیح روایتین بھی ہین

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح مروی ہین، اس لئے ان کے رد وقبول کا معیار یہ ہے کہ جو روایت سنداً صحیح ہو وہ قابلِ تسلیم ہے ورنہ قابلِ رد، سند کی صحت کی قید سے ان کا بڑا حصہ خود بخود چھٹ جاتا ہے،

لیکن مصنف کی تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کسی روایت کی صحت وعدم صحت کا معیار اس کی سند کی کیفیت نہین ہے، بلکہ عقل ہے، یعنی جو واقعہ عام انسانی عقلون یا کم از کم مصنف کی عقل کے خلاف ہو خواہ سند کے اعتبار سے وہ کیسا ہی ہو ناقابلِ قبول ہے، احادیث مین تو خیر یہانتک بھی غنیمت تھا، لیکن آیات قرآنی کے معانی اور مفہوم کی تعیین مین بھی اونھون نے یہی معیار مقرر کیا ہے، چنانچہ جس آیت کے ظاہری معنی ان کی محدود عقل مین نہ آسکے، اس کی انھون نے دور از کار تاویلین کی ہین، جس کی مثال آئندہ آئیگی،

گو اسلام کا کوئی عقیدہ "عقل مطلق" کے خلاف نہین، لیکن دینی امور مین محدود انسانی عقول کو معیار ماننا ہی سرے سے غلط ہے، اس لئے کہ ہماری عقلین تو محض مادیات کے دائرہ کے اندر تعقل وادراک کر سکتی ہین، اس کے باہر وہ بے کار محض ہین، مذہب کے مابعد الطبیعی مسائل کو چھوڑیئے سطح زمین کے جو طبیعی قوانین ہین، اور اس مین زندگی بسر کرنے کے لئے جن قویٰ کی ضرورت ہے، وہ دس پانچ میل فضا کی بلندی مین بالکل بدل جاتے ہین اور وہان اس زمین کے انسانی قویٰ بالکل بے کار ہو جاتے ہین، اور اس مین زندگی بسر کرنے کے لئے ایک بالکل مختلف قسم کے قویٰ کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی دوسرے کرہ مین زندگی کا امکان ہو یا وہان انسانون سے مشابہ کوئی مخلوق پائی جائے، تو اس کے اعضاء وجوارح اور ادراک وتعقل کے قویٰ اور احساس وادراک کے وسائل اس دنیا کے انسانون سے بالکل مختلف ہون گے، کہ اس دنیا کے قویٰ دوسرے کرون مین زندگی بسر کرنے کیلئے بالکل بے کار ہو جائین گے، ایسی حالت مین عقل کو مابعد الطبیعی مسائل مین معیار ماننا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، اسی لئے کلام مجید نے ہدایت کے لئے ایمان بالغیب کو ضروری قرار دیا ہے،

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى	یہ کتاب ایسی ہے جس مین کوئی شبہہ نہین یہ
لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ	ہدایت ہے ان متقیون کے لئے جو غیب کی باتون

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ ، پر یقین رکھتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں،

اسلئے ایمان بالغیب ایمان کا ضروری جزہے، دین کے مابعد الطبیعی اور روحانی مسائل مین عقل و خرد اور علم کی نارسائی اور کور چشمی اتنی ظاہر ہے کہ اس پر کسی بحث کی ضرورت نہین، عقل کا کام محض نظریات کی ایجاد، مقدمات کی ترتیب اور ظن و قیاس ہے، اس لئے وہ ذہن و دماغ مین آنیوالے تصورات کا تو ادراک کر سکتی ہے، لیکن روحانی حقائق اور مجردات کا تعقل اس کے بس سے باہر ہے، اس کے لئے وجدانِ سلیم اور ذوقِ یقین کی ضرورت ہے، عقل و خرد اور علم و استدلال کبھی اسرارِ دین کے محرم نہین سمجھے گئے،

گر ز استدلال کارِ دین بُدے | فخرِ رازی رازدارِ دین بُدے
پاے استدلالیان چوبین بود | پاے چوبین سخت بے تمکین بود

یہ موقع علم و عقل کی نارسائی کی بحث کا نہیں ہے، لیکن مصنف کی تشفی کے لئے اس بارہ مین اقبال کے خیالات کو جن کے کلام پر ان کا ایمان ہے، پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، خودی کے بعد اقبال نے جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، وہ عقل و علم کی نارسائی اور عشق و دل کی عظمت اور اسکی ہدایت و رہنمائی ہے گو انھون نے عشق و دل کی اصطلاح کو جا بجا ایمان و ایقان سے زیادہ وسیع معنون مین بھی استعمال کیا ہے، لیکن اس کا کوئی استعمال قوتِ ایمانی، جذبۂ ایمانی اور حرارتِ ایمانی کے مفہوم اور مقصود سے خالی نہین ہے، جس کی تعبیر انھون نے عشق و دل سے کی ہے، یہی اصطلاح شرع مین ایمان ہے، انھون نے اس حقیقت کو اپنے کلام مین اس کثرت سے اور اتنے مختلف پیرایوں میں پیش کیا ہے، کہ ان سب کا استقصا مشکل ہے، اس لئے صرف چند مثالین پیش کی جاتی ہین،

عقل اسباب و علل کے پیچ مین مبتلا ہے، اور عشق میدانِ عمل کا چوگان باز ہے، عقل کا سرمایہ شک و تذبذب ہے، اور عشق کا مایۂ خمیر جزم و یقین ہے، عشق سوزِ دل یعنی حرارتِ ایمانی سے زندہ اور شرارِ لاالٰہ سے تابندہ ہے،

عقل در پیچاکِ اسباب و علل | عشق چوگان باز میدانِ عمل

عقل را سرمایہ از بیم و شک است | عشق را جزم و یقین لاینفک است
عشق از سوزِ دل بازندہ است | از شرارِ لاالٰہ تابندہ است

علم محض تخمین و ظن ہے، سراپا حجاب ہے، مقامِ صفات ہے، ابن الکتاب ہے، اور عشق سراپا حضور، تماشاے ذات اور ام الکتاب ہے،

علم نے مجھ سے، کہا عشق ہے دیوانہ پن | عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن کرمِ کتابی نہ بن | عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب
عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات | علم مقامِ صفات عشق تماشاے ذات

علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب

یہ محض شاعرانہ تخیل اور صوفیانہ نکتہ وری نہین ہے، بلکہ عین حقیقت ہے، مومن کیلئے سب سے بڑا انعام جمالِ الٰہی کا مشاہدہ ہوگا، لیکن علمی نقطۂ نظر سے رویتِ باری مین طرح طرح کے استحالے ہین، اسی لئے عقل کے حصہ مین صرف غیاب و جستجو آیا، اور عشق کو حضوری کا درجہ نصیب ہوا،

تیری نگاہِ ناز سے دونون مراد پا گئے | عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب
انجامِ خرد ہے بے حضوری | ہے فلسفۂ زندگی سے دوری

اسی لئے علم کو حجاب اکبر کہا گیا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ

بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم | دستِ رومی پردۂ محمل گرفت
آن فروتر رفت تا گوہر رسید | آن بگردابے چو خس منزل گرفت

علم کی نگاہ کیف و کم اور ابتدا پر رہتی ہے، اور عشق کی انتہا اور نتیجہ پر،

حیران ہے بوعلی کہ مین آیا کہان سے ہون | رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤن کدھر کو مین

یہ شعر در حقیقت علم و عقل کی حیرانی اور ان کی بے نتیجہ تحقیق و کاوش اور انجام سے بے خبری اور ایمان کی

حقیقت پسندی اور انجام بینی کی بہترین تمثیل ہے، کائنات کے متعلق علم و سائنس کی ساری تحقیق اب تک اس پر صرف ہوئی ہے، کہ یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی اور کن کن مراحل سے گذر کر اس درجہ تک پہنچی؛ لیکن اس کا انجام کیا ہوگا اور اسکے بعد کون سی منزل شروع ہوگی، اس سے اس کو مطلق بحث نہیں لیکن ایمان ان لایعنی باتون مین نہین پڑتا، اس کی ساری فکر اور تیاری اس کے لئے ہوتی ہے، کہ اس کے بعد کہان جانا ہے، دنیا کی تخلیق کی سرگذشت کی علمی تحقیق سے چند ذہنی معلومات کے علاوہ انسان کو کیا حاصل ہوا لیکن آیندہ پیش آنے والا مرحلہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس پر انسان کی سعادت و شقاوت کا دار و مدار ہے اس لئے انسانی فلاح و سعادت کے لئے دنیا کی تخلیق کی سرگذشت مفید و کارآمد اور ضروری ہے، یا اس کے انجام کی فکر اور تیاری،

اس تشریح کو ہمارے موضوع سے چندان تعلق نہین تھا، مذکورۂ بالا شعر پڑھکر بے اختیار یہ چند باتین زبانِ قلم پر آگئین، ابھی عقل و عشق کے فرقِ مراتب پر گفتگو تھی، کمالِ عشق و مستی یعنی ایمانِ کامل کا نمونہ ظرفِ حیدر ہے، اور حرفِ رازی یعنی علم و عقل اس کے زوال کا مظہر ہے،

جمالِ عشق و مستی نے نوازی   جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدر   زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

عاشقی نام ہے قوتِ ایمانی کا،

عاشقی توحید را بر دل زدن   وانگہے خود را بہ ہر مشکل زدن

اسی لئے

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود مین عشق   عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

عشق کی بلندی اور عقل کی پستی یہ ہے کہ عشق و ایمان کا مظہر جمالِ مصطفوی صلعم ہے، اور عقل و علم کا مُثنی بولہبی چون و چرا اور جحود و انکار،

تازہ مرے ضمیر مین معرکۂ کہن ہوا   عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بولہب

اب مصنف ان دونون مین سے جس کو چاہین اختیار کرسکتے ہین،

عشق ہی اصل ہے، اسی سے عقل بھی روشنی حاصل کرتی ہے، جو عقل اس روشنی یعنی ایمان سے خالی ہو وہ ہیچ و ناکارہ ہے، زندگی کی آسودگی ایمان ہی کی حلاوت سے حاصل ہوتی ہے،

عقلے کہ جہان سوزد یک جلوۂ بیباکش   از عشق بیاموزد آئینِ جہانتابی
عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد   از تاب و تبِ رومی تا حیرتِ فارابی
این حرفِ نشاط آور می گویم و می رقصم
از عشق دل آساید با این ہمہ بے تابی

ہمارے فاضل مصنف نے دینی مسائل مین اسی کورچشم عقل کو رہنما بنایا ہے، اگر وہ محض اپنی خوش فہمی اور اپنے اغراض کے لئے کلام اقبال کو موقع بے موقع استعمال نہین کرتے، اور اس کی صداقت پر واقعی ان کا عقیدہ ہے، تو ان کی خدمت مین گذارش ہے،

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہین   راہبر ہو ظن و تخمین تو زبون کارِ حیات

اور

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور   چراغِ راہ ہے منزل نہین ہے

اس کا منشا یہ نہین ہے کہ دین کے نام سے مذہب مین جو خرافات بھی شامل ہو گئے ہین انکو بے چون و چرا تسلیم کرلیا جائے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ کلام مجید کی ان آیات مین جو بالکل کھلی ہوئی ہون، اور ان دینی مسائل مین جو غیر مشتبہ طور پر صریحًا ثابت ہین، کسی قسم کی تاویل جائز نہین، خواہ وہ ہماری عقل کے کتنی ہی خلاف کیون نہ ہون، انھین بے چون و چرا تسلیم کرلینا چاہئے، البتہ محتمل المعانی و مختلف الجہات اور مجمل آیات و مسائل مین تاویل کی گنجایش ہے، اس لئے ان تفسیری روایات مین جن کا اثر کلام مجید کے صریح اور کھلے ہوئے معنی اور مفہوم پر نہ پڑتا ہو، مصنف کو تنقید کا پورا حق ہے، لیکن صریح آیات کی تاویل افکار اسلامی

کے "مصلح" کے لئے زیبا نہین،

مصنف نے اگرچہ اس بحث کا موضوع اسرائیلیات کو قرار دیا ہے، لیکن اس مین انھون نے بعض آیاتِ قرآنی کی تفسیر کو بھی شامل کر لیا ہے، پہلی شق یعنی اسرائیلی روایات مین بعض روایتین مثلاً عاد وثمود ارم، قصص سلیمانی کی غیر قرآنی تفصیلات یقیناً اسرائیلی ہین جنھین کوئی بھی صحیح نہین مانتا، بعض کا تعلق خالص تاریخ سے ہے، مثلاً عاد، ثمود ارم، ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج وغیرہ، ان مین بھی ایک مورخ اور ماہر اثریات کو بحث وگفتگو کا حق حاصل ہے، اور وہ تاریخی تحقیق کی روشنی مین غیر معتبر تفسیری روایات سے اختلاف کر سکتا ہے، اس لئے ہم ان مسائل کو نظرانداز کرتے ہین، لیکن ملائکہ کا تعلق ارکان دین سے ہے، اس مین شک وشبہہ سے وحی الٰہی اور الہامی کتابون کی صداقت مشتبہ ہو جاتی ہے، اس لئے ان کے متعلق آیاتِ قرآنی پیش کرنا ضروری ہے،

ملائکہ اور جن کے بارے مین مصنف نے عجیب دورنگی اختیار کی ہے، ایک طرف تو وہ کلام مجید مین ان دونون کے صریح اور بکثرت تذکرہ کی وجہ سے ان کے وجود سے انکار نہ کر سکے، چنانچہ لکھتے ہین،

"ملائکہ جن اور شیاطین کا وجود مسلمات اسلام مین سے ہے، اور ان تینون میں سے کسی کے وجود کا انکار اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہین رکھتا"۔

لیکن چونکہ ان کا وجود محسوس نہیں ہے، اور مادیات کا ادراک کرنے والی عقل ان کا ادراک نہین کر سکتی، اسلئے پہلے تو اونھون نے ان کو قواے مجردہ مانا، چنانچہ ملائکہ کے متعلق فرماتے ہین:۔

"نظام عالم کو چلانے کے لئے مختلف طاقتون اور قوتون کی (energies) ضرورت ہے، انھی قوی کا نام ملائک ہے، مگر عربی مین طاقت (انرجی) کو کہتے ہین"۔

لیکن اس پر بھی بس نہیں کیا، اور آخر مین اونھین مادی عناصر کے فطری قوی کا درجہ دیدیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"ایک درخت کو اگانے اور پرورش کرنے کے لئے مختلف قواے نمو کی ضرورت ہے، سمندر سے بھاپ بنانے اور آسمان کی فضا میں بادل بنانے کے لئے بے شمار عناصر وقوتین درکار ہین، ان قوتون کا وجود بہر حال ضروری ہے، اسی وجود کا نام بعض مسلم مفکرین کے نزدیک ملک ہے، اسی طرح ناری مخلوق (جن) کے لئے بھی یہ ضروری نہین، کہ اس کے مادی جسم ہو، اگرچہ خدا میں قدرت ہے کہ وہ ہر وجود کو مادی جسم سے آراستہ کر سکتا ہے، بہر حال جنون کے وجود حقیقی مین کوئی اختلاف نہین، (ص ۱۶)

اس کے بعد اس معنی سے بھی گریز کرتے ہین:۔

"قرآن کریم مین جن متعدد دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے، جہان اس کے معنی وہ مخلوق ناری نہین ہین جس کا اوپر ذکر گیا، بعض مفسرین کے نزدیک لفظ جن جہان انس کے مقابلہ مین آیا ہے، بالخصوص حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلسلہ مین جہان اس لفظ کا ذکر آیا ہے، وہان اس کے معنی غیر مہذب، وحشی یا پہاڑی کے ہوتے ہین (ص ۱۱)

لیکن آگے چل کر یہ تخصیص بھی ختم ہو جاتی ہے، فرماتے ہین:۔

"عرب میں بھی جن مشہور قبیلہ تھا، جو بدوی لوگون پر مشتمل تھا، .... یہ قبیلہ جنگلون مین رہتا ہوگا، ...... اس سے ظاہر ہے کہ جنگلوں کے رہنے والے آدمیون سے منسوب کیا گیا ہے"۔

آخری نتیجہ:۔ قرآن کریم کی بعض مشہور آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو انسان ہی کے معنی مین استعمال کیا گیا ہے، مثلاً

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ

اے جن وانس کے گروہ کیا تمھارے پاس تم ہی میں رسول نہین آئے،

مصنف کے خیالات کی یہ نیرنگی قابلِ ملاحظہ ہے، کہ پہلے ملائکہ کو ایک مجرد مخلوق مان کر پھر انہیں عناصر کے قوی کا قالب دیا، اور جن کو ناری مخلوق تسلیم کرکے مختلف قالب دیتے ہوئے آخر میں انسان بنا دیا، اسلئے کہ

ملائکہ کی تعبیر مادی عناصر سے کرنا نہ صرف اون کا استخفاف ہے، بلکہ قرآن کی صریح مخالفت ہے، مصنف کو معلوم ہونا چاہئے کہ انسانون کی طرح ان کو مادی مخلوق کوئی نہیں مانتا، لیکن ان کے روحانی مخلوق یا کم سے کم روحانی قوت ماننے سے انکار تو آیات قرآنی کا صریح انکار ہے، مصنف کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ملک وملائکہ کوئی مخلوق نہین، بلکہ وہ صرف مختلف مادی عناصر کے امتزاج سے کون وفساد کے عمل کی قوت کا نام ہے، جو ایک خالص مادی اور غیر شعوری استعداد ہے، اس جدت تفسیر کیلئے جن مسلم مفکرین کا حوالہ مصنف نے دیا ہے، وہ سر سید احمد خان ہین، اسی سے اس تفسیر کی حقیقت ظاہر ہے، بہرحال یہ تفسیر سراسر آیات قرآنی کے خلاف ہے، ملائکہ عناصر کی قوت کون وفساد کا نام نہین، بلکہ وہ اُن سے بلند تر باشعور روحانی قوت ہین، جن کا کام خدا کی تقدیس وتمجید، اس کی خدمت گذاری، اس کے احکام کی بجاآوری ان کا نفاذ، خدا اور انبیا ورسل کے درمیان پیامبری، اور کارخانۂ عالم کے نظام کی نگرانی اور اس کا انصرام ہے، کلام مجید مین بیسیون، بلکہ پچاسون مقام پر ان کا اور ان کے ان اوصاف کا ذکر ہے، فرشتے خدا اور اس کے برگزیدہ بندون اور مخلوقات کے درمیان پیامبری اور سفارت کی خدمت انجام دیتے ہین،

الحمد للہ فاطر السموات والارض	حمد ہو اس خدا کی جو آسمانون اور زمین کا
جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ	پیدا کرنے والا اور فرشتون کو دو دو تین تین
مثنی وثلث وربع یزید فی الخلق	اور چار چار شہپر بازؤن والے پیام رسان
ما یشاء ان اللہ علی کل شیء قدیر	بنانے والا ہے، وہ پیدائش مین جو چاہے بڑھائے
(فاطر-۱)	وہ ہر چیز پر قادر ہے،
اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا	خدا ہی ہے جو فرشتون اور آدمیون مین
ومن الناس ان اللہ سمیع بصیر	سے پیام رسان اور قاصد منتخب کرتا ہے، خدا
یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم	سننے والا اور دیکھنے والا ہے، اور ان کے آگے

والی اللہ ترجع الامور	اور پیچھے کا حال جانتا ہے، اور تمام کامون
(حج-۱۰)	کا مرجع ہے،
او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء	یا خدا اپنا ایک سفیر بھیجتا ہے تو وہ اس کی
(شوری-۵)	اجازت سے جو خدا چاہتا ہے وحی کرتا ہے،
ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ علی من	خدا روح کے ساتھ فرشتون کو اپنے حکم سے اپنے
یشاء من عبادہ (نحل-۱)	بندون مین سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے،

بارگاہ ایزدی کے حاضر باش ہین، اور اس کی تسبیح وحمد اور اہل زمین اور مومنین کے لئے استغفار کرتے ہین

والملئکۃ یسبحون بحمد ربھم	اور فرشتے حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح
ویستغفرون لمن فی الارض الا ان	کرتے رہتے ہین، اور زمین والون کی بخشایش
اللہ ھو الغفور الرحیم	کی دعا مانگا کرتے ہین، ہشیار کہ بخشنے والا
(شوری-۱)	رحم کرنے والا خدا ہی ہے،
الذین یحملون العرش ومن حولہ	جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہین، اور
یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ	جو اس کے پاس ہین، وہ سب اپنے پروردگار
ویستغفرون للذین آمنوا	کی حمد اور تسبیح کرتے ہین، اور اس پر ایمان
	رکھتے ہین، اور ایمان والون کی بخشایش کی
(مومن-۱)	دعا کرتے ہین،
وتری الملئکۃ حافین من حول	اور تم فرشتون کو دیکھو گے کہ عرش کے ارد
العرش یسبحون بحمد ربھم	گرد احاطے کئے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد
(زمر-۸)	و ثنا مین مصروف ہون گے،

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا
وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا
(فجر - ۱)

ہرگز نہیں جب زمین ریزہ ریزہ کر دیجائیگی
اور تیرا رب تشریف فرما ہوگا، اور فرشتے
قطار در قطار آئیں گے،

خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں،

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ
رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ، (قدر - ۱)

اس میں (لیلۃ القدر) فرشتے اور روح اپنے
پروردگار کے حکم سے ہر کام کو لیکر نیچے اترتے ہیں

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي
مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا،
(انفال - ۲)

یاد کر جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی
کر رہا تھا، کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، تم
مومنوں کو ثابت قدم رکھو،

روح قبض کرتے ہیں،

قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي
وُكِّلَ بِكُمْ (سجدہ - ۱)

کہدو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم پر
موت طاری کرے گا،

وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا
الْمَلَائِكَةُ، (انفال - ۷)

اور اگر دیکھو جب فرشتے کافروں کی عمر پوری
کر رہے ہوں،

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّى إِذَا جَاءَ
أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ
لَا يُفَرِّطُونَ، (انعام - ۸)

اور وہ خدا تم پر نگران بھیجتا ہے، یہانتک کہ
جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے، تو ہمارے
قاصد اسکی عمر پوری کرتے ہیں، اور وہ کمی نہیں کرتے؛

انسانوں کے اعمال و افعال کی نگرانی کرتے ہیں،

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ

بیشک تم پر نگہبان ہیں بزرگ ہیں لکھنے والے ہیں

يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ، (انفطار - ۱)

جو تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں،

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ
عَتِيدٌ، (ق - ۲)

کوئی منہ سے بات نہیں نکالتا، لیکن اس کے
نزدیک ایک نگہبان حاضر ہے،

سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ
جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ
وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ
بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ
مِنْ أَمْرِ اللَّهِ، (رعد - ۲)

تم سے کوئی بات چھپا کر کہے یا زور سے کہے
یا وہ رات میں چھپے یا دن کو کرے، خدا کے
تعاقب کرنے والے اس کے سامنے سے اور
اس کے پیچھے سے خدا کے حکم سے اس کی نگرانی
کرتے ہیں،

جنت و دوزخ کے کاروبار کے نگران ہوں گے،

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ
اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ
أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا
بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ
أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ (فصلت - ۴)

جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے
پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے یہ کہتے ہوئے
اتریں گے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی
خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہم
جو تمھاری پہلی اور اس دوسری زندگی میں تمھارے
رفیق ہیں،

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ
زُمَرًا حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ
أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا
أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ،

اور کفر کرنے والے گروہ کے گروہ دوزخ کی
طرف لیجائے جائیں گے، یہانتک کہ جب اس
کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے
جائیں گے، اور اس کے چوکیدار فرشتے کہیں گے

(زمر - ۸) کہ کیا تمھارے پاس تمھین مین کے پیغمبر نہیں آئے

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ، (زمر - ۸)

اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے، وہ گروہ در گروہ جنت میں لیجائے جاَین گے، یہانتک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچین گے، اور اس کے دروازے کھولے جاَین گے، اور اس کے پاسبان (فرشتے) کہین گے کہ تم پر سلامتی ہو خوش خوش ہمیشہ کے لئے جنت مین داخل ہو جاؤ،

وَالْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ، (رعد - ۳)

اور جنتیون پر فرشتے ہر دروازے سے داخل ہوکر کہین گے، تمپر سلامتی ہو، یہ تمھارے صبر کا بدلہ ہے، یہ کیسا اچھا عاقبت کا گھر ہے،

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلٰئِكَةً (مدثر) اور ہم نے دوزخ کے اہل کار فرشتون ہی کو

دنیا مین نیکو کارون کے لئے بشارت کا پیام لاتے ہین،

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى (ہود) اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے،

بدکارون کی تباہی کے سامان مہیا کرتے ہین،

قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ (ہود - ۷)

اونھون نے کہا اے لوط ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہین،

حسب ذیل آیات خاص طور سے غور کے لائق ہین،

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، (بقرہ - ۴)

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے ربنے فرشتون سے کہ مین ضرور بناؤن گا زمین مین ایک نائب،

تو فرشتون نے اس کے جواب مین عرض کیا،

قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ، (بقرہ - ۴)

فرشتے کہنے لگے کہ آپ پیدا کرین گے زمین مین ایسے لوگون کو جو فساد کرین گے اس مین اور خونریزیان کرین گا اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہین آپ کی حمد کی اور تقدیس کرتے رہتے ہین

خلیفہ پیدا کرنے کے بعد بارگاہ ایزدی سے فرشتون کو حکم ہوتا ہے،

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السّٰجِدِينَ، (اعراف)

پھر ہم نے فرشتون کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو، سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والون مین شامل نہ ہوا،

ایک دوسرے موقع پر ہے،

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (ص - ۵)

جب آپ کے رب نے فرشتون سے ارشاد فرمایا کہ مین گارے سے ایک انسان بنانے والا ہون، جب مین اس کو پورا بنا چکون، اور اس مین اپنی جان ڈال دون تو تم سب اسکے روبرو سجدہ مین گر پڑنا، چنانچہ سارے کے سارے فرشتون نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ وہ غرور مین آگیا، اور کافرون مین سے ہوگیا

فرشتون مین انسانون کی طرح افراد ہین، جنھین خدا باطل قوتون کے مقابلہ مین پیغمبرون کی مدد کے لئے مامور فرماتا ہے،

اذ تقول للمومنین الن یکفیکوان یمدکو ربکو بثلثة الاف من الملئکة منزلین بلی ان تصبروا و تتقوا و یاتوکو من فورهو هذا یمددکو ربکو بخمسة الاف من الملئکة مسومین،

(آل عمران - ۱۳)

اور جب آپ مسلمانوں سے یوں فرما رہے تھے کہ تم کو یہ امر کافی نہ ہو گا کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے جاویں گے، ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے، اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آپہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا، پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہونگے

یہ اور اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جن سے فرشتوں کی حقیقت، ان کی جنس اور ان کے کامون پر روشنی پڑتی ہے، کیا ان صریح آیات کے بعد یہ کہنے کی گنجایش باقی ہے کہ فرشتے محض عناصر کے فطری قویٰ کا نام ہے،

اسی طریقہ سے جن کی تفسیر بدوون، پہاڑی اور جنگلی انسانون سے بھی سرسید احمد خان کی رہین منت ہے، جو ملائکہ کی تفسیر کی طرح بالکل غلط اور آیات قرآنی کے یکسر خلاف ہے، جن اور اجنہ سے مراد بدوی اور جنگلی انسان نہین، بلکہ انسان کی طرح اور اس کے مقابل مستقل ایک مخلوق ہے، کلام مجید مین ایک سے زیادہ مقامون پر اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے

خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار

(رحمٰن - ۲)

انسان کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی، اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا،

اس لئے دو مختلف بلکہ متضاد عناصر سے ترکیب پانے والی مخلوق ایک کس طرح ہو سکتی ہے، کلام مجید کی آیتکے انکار سے بچنے کے لئے یہ پہلو اختیار کرنا کہ اس آیت مین تو جن سے جن ہی مراد ہے، لیکن اس کے علاوہ

اور جہان کہین جن کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد یہ ناری مخلوق نہین ہے، بلکہ پہاڑی اور جنگلی انسان مراد ہیں، آخر کس اصول پر، اس اختلاف معانی کے لئے کوئی قرینہ ہونا چاہئے یا محض اس لئے کہ اور مقامون پر جہان جن سے جن مراد لینے مین عقلی استبعاد نظر آتا ہے، اس سے مراد پہاڑی اور جنگلی انسان لئے جائین، اس سے انکار نہین کہ عربی مین اس اطلاق کی بھی بعض مثالین مجائین گی، لیکن اس کی حیثیت تشبیہ و مجاز کی ہے، دوسری زبانون مین بھی مجاز اور تشبیہ کے طور پر وحشی انسانون کو جن سے تعبیر کرتے ہین، خود اردو مین لیکن اس مجاز اور تشبیہ کو حقیقت پر تو کوئی محمول نہین کرتا، اگر کسی بہادر انسان کو شیر یا احمق آدمی کو گدہا کہا جائے، تو کیا اس سے حقیقۃً انسان شیر اور گدہا بن جائے گا، پھر یہ تو ہر زبان کا ایک کھلا ہوا اصول ہے، کہ کسی زبان کے کسی لفظ کے حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر بغیر کسی قرینہ کے مجازی معنی مراد نہین لئے جا سکتے، اس لئے وحشی انسانون کی جن سے تعبیر کے لئے کوئی قرینہ چاہئے،

مصنف نے یامعشر الجن والانس الم یاتکو رسل منکو سے یہ استدلال کیا ہے، کہ انھون نے پہلے یہ فرض کر لیا ہے کہ جنون کے پاس رسول نہین بھیجے گئے، کیونکہ قرآن مین ان کا کوئی ذکر نہین ہے، اس لئے ان سے خطاب بے معنی ہو گا، اس لئے جن سے مراد بدوی یا جنگلی انسان ہین، لیکن یہ استدلال سراسر لغو ہے، مصنف نے جس خود ساختہ مقدمہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے، وہی غلط ہے، اس لئے نتیجہ بھی غلط ہے، اجنہ مین انبیاء کی بعثت خود اسی آیۃ سے ثابت ہے، یہ ضروری نہین کہ قرآن مین اس کی پوری تفصیلات ہون، دنیا میں سیکڑون اقوام کے پاس صدہا انبیاء و رسل آئے، لیکن ان مین سے کلام مجید مین کتنون کا تذکرہ ہے، اجنہ مین بعثت انبیاء کا ذکر گو تفصیلی نہ سہی، مگر اجمالی ایک سے زیادہ مقامون پر موجود ہے، خود اسی آیۃ مین ہے، پوری آیت یہ ہے،

یامعشر الجن والانس الم یاتکو رسل منکو یقصون علیکو آیاتی

اے جماعت جنات کی اور انسان کی کیا تمہارے پاس تم ہی مین سے پیغمبر نہین آئے تھے

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۤءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ،

(انعام - ۱۶)

اور جو تم سے میرے احکام بیان کیا کرتے تھے، اور تم کو اس آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے، وہ سب عرض کرین گے کہ ہم اپنے اوپر جرم کا اقرار کرتے ہین، اور ان کو دنیوی زندگی نے بھول مین ڈال رکھا ہے، اور یہ لوگ مقر ہون گے کہ وہ کافر تھے،

یہ آیت جنون مین پیغمبرون کے آنے کا صریح ثبوت ہے،

کیا قیامت مین بدوؤن اور شہریون اور جنگلی انسانون اور مہذب انسانون سے خطاب الگ الگ ہوگا، اگر ایسا ہے تو پھر انسانون مین محض دو قسم کی تقسیم کیون ہو، انسانون کے اور بہت سے طبقات نکل سکتے ہین، پھر عربی قاعدہ سے بھی جن و انس کو ایک نہین کہا جا سکتا، اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ مین مغائرت ضروری ہے، اس لئے اس آیت مین دونون ایک ہو ہی نہیں سکتے، پوری سورہ رحمان مین جنون اور انسانون سے خطاب ہے، ہر چند آیتون کے بعد فَبِاَیِّ اٰلَاۤءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کا ٹکڑا ہے، اور رَبِّکُمَا اور تُکَذِّبٰنِ دونون مین تثنیہ کی ضمیر ہے، جس سے جن و انس دونون سے خطاب ہے،

اسی طریقہ سے سورۂ نمل کی ان آیات کی تفسیر مین جن مین "منطق الطیر" کا صریح ذکر ہے، ان سے متعلق اسرائیلیات کی تنقید نہین بلکہ دور جدید کے "متفکر مفسرین" کی غلط تاویلات کی سر اسر تقلید کی گئی ہے، چنانچہ ان آیات مین،

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا، اور ان دونون نے کہا تمام تعریف اللہ کے لئے سزاوار ہے، جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندون پر فضیلت دی،

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۔ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ، حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ...... وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ڮ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَاۗىِٕبِيْنَ ۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ،

(نمل - ۱)

اور داؤد کے قائم مقام سلیمان ہوئے، اور انھون نے کہا کہ اے لوگو ہم کو پرندون کی بولی کی تعلیم کی گئی ہے، اور ہم کو ہر قسم کی چیزین دی گئی ہین، یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا صاف صاف فضل ہے، چنانچہ سلیمان کے لئے جو لشکر جمع کیا گیا تھا، ان مین جن بھی تھے اور انسان بھی اور پرندے بھی، اور ان کو روکا جاتا تھا، یہان تک کہ وہ چیونٹیون کے ایک میدان مین آئے تو ایک چیونٹی نے کہا، کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخون مین جا گھسو کہیں سلیمان اور انکا لشکر بیخبری مین تمکو کچل نہ ڈالیں...... اور سلیمان نے پرندون کی حاضری لی تو فرمایا کیا بات ہے کہ مین ہد ہد کو نہین دیکھتا کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اس کو سخت سزا دون گا یا اوس کو ذبح کر ڈالون گا یا وہ کوئی صاف حجت میرے سامنے لائے،

محض اس بنا پر کہ بقول مصنف چیونٹی کا تکلم کرنا جدید مفسرین کے نزدیک قرآن کریم کے طرز کے خلاف ہے (ص ۱۰۶) ہدہد اور نمل مین متعارف ہدہد اور چیونٹی بجائے ان کو انسانی قبیلہ قرار دیا گیا ہے، اور طیر کے معنی لشکر کے لئے ہین، فرماتے ہین:

"طیر کے معنی لشکر کے بھی ہیں، اور مولوی چراغ علی کی تحقیق کے مطابق ہداہد جو ہدہد کی جمع ہے ایک قبیلہ کا نام ہے،..... قدما نے اسکی (نمل) کی تفسیر مین اس لئے غلطی کی کہ وہ ہر لفظ کو براہ راست اس کے معنون مین لیتے تھے، اور قدیم تاریخ اور فن تنقید کا ان مین رواج نہ تھا، چونکہ آیۂ مذکور نمل کا لفظ ہے، اور اس کے معنی چیونٹی کے ہین اسلئے یحطمنکم کے معنی بجائے "نقصان پہنچانا" "روندنا"

کئے گئے، ان کی تحقیق کے مطابق نمل ایک قبیلہ کا نام تھا"

لیکن مصنف نے پوری آیۃ پر غور نہیں کیا، ورنہ وہ ان دور از کار تاویلوں میں نہ جاتے، یہ دونوں تاویلیں عربی زبان، سیاق کلام اور منشائے قرآنی سب کے خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو موضع فضل و احسان میں ذکر فرمایا ہے، کہ ہم نے داؤد و سلیمان کو "علم" عطا فرمایا، اس عطیہ کی احسانمندی میں دونوں پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور فرمایا "فضلنا علی کثیر من عبادہ المؤمنین" اس سے معلوم ہوا کہ وہ کوئی خاص امتیازی فضل تھا، جس کی تصریح خود "منطق الطیر" موجود ہے جو واقعی ایک امتیازی علم یا استعداد ہے، اور اگر طیر سے مراد فوج لی جائے تو فوج کی بولی کا سکھانا کونسا فضل ہے، اور اس کی کون سی خاص بولی ہوتی ہے، جس کا اختصاص کے ساتھ ذکر کیا گیا، دوسرے کلام مجید میں "وحشر لسلیمن جنودہ من الجن والانس والطیر" ہے، اگر طیر کے معنی فوج کے لئے جائیں تو "جنودہ" بالکل بے کار اور بے معنی ہو جاتا ہے، اور "جنودہ" کے بعد "طیر" کی ضرورت ہی نہیں رہتی، پھر جن و انس کا مقابل "طیر" یعنی پرندہ ہو سکتا ہے، نہ کہ فوج، دوسرے طیر کے معنی سرے سے لشکر کے ہیں ہی نہیں، معلوم نہیں مصنف نے کس لغت میں دیکھے ہیں، ممکن ہے ان کو یا ان کے جیسے دوسرے بالغ نظر محققین کو "اسم جمع" کے لفظ سے دھوکا ہوا ہو، کتب لغات میں طیر کی تشریح کے تحت میں اسم جمع کا لفظ ملتا ہے، جو ایک صرفی اصطلاح ہے، ممکن ہے فاضل محققین کا ذہن اسم جمع کی کثرت کے معنی کی طرف منتقل ہوا ہو، پھر اُس سے اُنھوں نے فوج مرتب کرلی ہو، اس لئے جب طیر کے معنی پرندہ کے متعین ہو گئے، تو پھر ہدہد کو قبیلہ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی،

اسی طرح نمل کی تاویل بنی نمل سے کرنا بھی صحیح نہیں، اس سے انکار نہیں کہ اگلے زمانہ میں جیوانوں کے ناموں پر انسانی قبائل کے نام ہوتے تھے، خود عرب میں بنی کلب اور بنی اسد موجود تھے، لیکن اس آیت میں "نملۃ" اور "نمل" سے بنی نمل مراد لینا عربی قاعدہ کے خلاف ہے، ایسے موقعوں پر عربی میں قبائل کے افراد کا تذکرہ ہمیشہ نسبت کے ساتھ ہوگا، مثلاً بنی کلب اور بنی اسد کے فرد کے لئے کلبی اور اسدی کہا جائے گا، کلب اور اسد نہ ہوگا اور اس آیت میں "قالت نملۃ من النمل" ہے، یعنی ایک فرد نے اپنی جنس یا قوم سے کہا، اس لئے اگر

بنی نمل مراد ہوتے تو قالت نملۃ کے بجائے قال نملیٌ من نملی یا من قومہ ہوتا، تانیث نہ ہوتی اگر کہنے والی عورت ہوتی تو البتہ قالت نملیۃ ہوتا، اس لئے نمل اور نملۃ سے بنی نمل مراد لینا قطع نظر اور باتوں کے عربی قاعدہ کے بھی غلط ہے،

علمائے جغرافیہ نے بھی "وادی النمل" میں بنی نمل کی نہیں، بلکہ چیونٹی ہی کی نسبت مانی ہے، یورپین مورخین اور جغرافیہ نگار بھی چیونٹی ہی کی نسبت مانتے ہیں، چنانچہ جی لی اسٹرینج جغرافیہ فلسطین و شام میں لکھتے ہیں:-

> یہ وادی (وادی النمل) اس چیونٹی کے نام سے موسوم ہے، جس نے حضرت سلیمان بن داؤد سے (موعظت آمیز) گفتگو کی تھی[1]،

مصنف نے اس کتاب میں مختلف موقعوں پر ابن جریر طبری، ابوعبداللہ قرطبی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر، مولنا قاسم اور شیخ الہند رحمہم اللہ کے ترجموں اور تفسیروں کو معتبر مانا ہے، (ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۴۴، ۱۵۱ و ۱۶۵) اگر ان میں سے کسی نے بھی یہ تاویل کی ہوتی، تو ہم کو اس کے قبول کرنے میں تامل نہ ہوتا، ان آیات کی تفسیر سلف سے لیکر خلف تک متفق علیہ چلی آتی ہے، ایسی حالت میں مصنف کے لئے کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی،

گو حق اور انبیاء علیہم السلام کی تائید کے لئے کسی حیوان میں عارضی طور سے انسانی نطق پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے بعید نہیں، لیکن اگر مصنف کے نزدیک یہ چیز قرآن کریم کے طرز کے خلاف ہے، تو وہ مذکورۂ بالا آیات کی ایسی تاویل کر سکتے تھے، جو کلام مجید کے ظاہری الفاظ و معنی کے بھی خلاف نہ ہو، اور جس سے کوئی عقلی استحالہ بھی لازم نہ آئے، ان آیات میں تین چیزوں کا ذکر ہے، طیور کی بولی سمجھنے کا علم، ایک چیونٹی کا دوسری چیونٹیوں کو سلیمانی فوج کے خطرہ سے آگاہ کرنا، اور تسخیر طیور، ان میں سے کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں ہے، حیوانوں میں انسانی نطق "خلاف عقل" کے خلاف ہے، لیکن خود ان کی بولیوں سے اُن کے جذبات کو سمجھ لینے میں کوئی عقلی دشواری نہیں ہے، یہ معلوم اور مسلّم ہے، کہ حیوانات مختلف آوازوں اور بولیوں کے ذریعہ بھوک

[1] ملاحظہ ہو ترجمہ اردو جغرافیہ بلاد فلسطین و شام جی لی اسٹرینج ص ۴۴، شائع کردہ دارالترجمہ حیدرآباد،

پیاس، خوشی و مسرت، غم و غصہ، لطف و محبت، نفرت و کراہت اور خوف و ہراس وغیرہ مختلف قسم کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں جنھیں ایک واقف کار آسانی کے ساتھ سمجھ لیتا ہے، اس لئے "منطق الطیر" کے علم سے کونسی خلاف عقل بات لازم آتی ہے، اسی طرح ایک حیوان کے دوسرے حیوانون کو انسانی خطرہ سے آگاہ کرنے میں بھی کوئی عقلی استحالہ نہیں ہے، بلکہ یہ تو روزانہ کا مشاہدہ ہے، اور جدید تحقیقات کے مطابق تو چیونٹیون اور شہد کی مکھیون کا اجتماعی نظام تو اتنا حیرت انگیز ہے کہ ان کے متعلق محض خطرہ سے آگاہ کرنا ایک معمولی سی بات ہے،، باقی جانب قول کی نسبت تو کلام مجید مین عمل یا صورت حال کے لئے "قول" کے استعمال کی بہت سی مثالین ملتی ہین؛ طیور اور حیوانون کی تسخیر بھی روزانہ کا مشاہدہ ہے، انسان تو وحشی حیوانون کو ایسا مسخر کر لیتا ہے، کہ وہ انسانون سے زیادہ مطیع و منقاد ہو جاتے ہین، رہا یہ امر کہ اس تاویل سے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا کوئی امتیاز باقی نہین رہ جاتا، تو اس مین شبہ نہین کہ معجزانہ امتیاز نہین رہجاتا، لیکن اس کے امتیاز ہونے سے پھر بھی انکار نہین کیا جا سکتا، اس لئے کہ ہر انسان مین یہ صلاحیت و استعداد نہیں ہوتی، اسلئے کسی ایک انسان مین اسکا پایا جانا یقیناً ایک امتیازی کمال ہے، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا، لیکن یہ تاویل مصنف کی تشفی کے لئے ہے، ورنہ خدا تو انبیاء علیہم السلام کی تائید کے لئے شجر و حجر مین نطق پیدا کر سکتا ہے،

ایک طرف تو مصنف کو فہم قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تیرہ سو برس کی ساری تفسیرون کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہین، دوسری طرف ان کی قرآن فہمی کا یہ حال ہے کہ وہ عربی کے معمولی اور کلام مجید کے نہایت کھلے ہوئے الفاظ کے معنی تک نہین سمجھتے، ان کی قرآن فہمی کا ایک دلچسپ نمونہ کلام مجید کی اس آیت "مسلمات مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات" میں سائحات کا ترجمہ "سیاحت میں سرگرم،، ہے اور اس پر یہ طومار کھڑا کیا ہے؛

"قرآن مجید کا انقلاب کس قدر حیرت انگیز تھا کہ وہی عورتین جو کبھی اپنے مردون سے زیادہ جاہل تھین، اب قرآن مجید مین "مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات،، کے اوصاف سے موسوم ہین، یعنی اللہ کی فرمانبردار برائیون سے پرہیز کرنے والیان عبادت گذار اور سیاحت مین سرگرم

اس ترجمہ کی تصدیق اس سے کی گئی ہو کہ روایت سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام اور خود رسول کریم کی ازواج مطہرات بھی میدان جہاد مین نکلتی تھین، اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھین، اس لئے ان کو سائحات سے پکارا گیا ہوئے گویا مجاہدین کی خدمت اور زخمیون کی مرہم پٹی کے لئے عورتون کا نکلنا اور سیر سپاٹہ، دونون ایک چیز ہین، اس ترجمہ کی اور خوبیون سے قطع نظر سائحات کا ترجمہ جس کے معنی روزہ رکھنے والیان ہین سیاحت کرنیوالیان خوب کیا گیا ہو، سائح کے معنی روزہ دار کے مفسرین کے طبعزاد نہین ہین، کہ اس میں مصنف کو گفتگو کی گنجایش ہو بلکہ علماے لغت کا اس پر اتفاق ہے، صاحب لسان العرب لکھتے ہین:

السّائحونَ والسّائحات الصّائمونَ	یعنی سائحون اور سائحات کے معنی الصائمون
قالَ الزجاج السائحونَ فی قول	ہین جاج لغوی کا قول ہے کہ اہل تفسیر اور لغت
اهل التفسیر واللغة جمیعًا الصّائمونَ[1]	دونون کے نزدیک سائحون کے معنی الصائمون ہیں

راغب اصفہانی نے بھی مفردات مین یہی معنی لکھے ہین[2]، ان کے علاوہ خلف سے لیکر سلف تک تمام مترجمین، مفسرین، اور علماے لغت کا اس پر اتفاق ہو،

لیکن مصنف السائحات کا ترجمہ سیاحت کرنے والیان کرنے میں معذور بھی ہین، عربی وہ جانتے نہین، اردو کی مدد سے تفسیر و ترجمہ کرتے ہین، اس لئے اگر اردو کی سیاحت کو انھون نے سائحات پر چسپان کر دیا تو اس مین ان کا زیادہ قصور نہین،

ان مباحث کے بعد کلام مجید کی تاویل کے حدود اور اس کے فہم و تدبر کے بارہ میں بعض اصولی باتین ہین گو یہ مسامحات سے خالی نہین، لیکن بڑی حد تک صحیح ہین، اگر ان اصولون کی وہ خود بھی پابندی کرتے تو ان کو صریح آیات میں قرآن کے مفہوم و منشا سے اتنی دور نہ ہٹنا پڑتا، ہم نے دور جدید کے مجتہد مفسرین کے اجتہادات کے پیش نظر چند سال ہوئے "فہم قرآن کے اصول" کے عنوان سے معارف مین ایک مفصل مضمون لکھا تھا اس کا مطالعہ

---

[1] لسان العرب ج ۳ ص ۳۲۳ [2] ملاحظہ مفردات راغب اصفہانی ص ۲۲۶،

مفسرین جدید کے لئے مفید ہوگا،

تفسیر کی بحث مین مصنف نے بعض اور تاریخی غلطیان یا غلط بیانیان بھی کی ہین، مثلاً علماء و مورخین اسلام کی تاریخ اور طبیعیات سے ناواقفیت کے ثبوت مین لکھتے ہین :-

"حبشیون کے متعلق مسعودی نے لکھا ہے کہ ان کا رنگ اس لئے سیاہ ہوگیا، کہ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو بد دعا دی تھی، اور اہل حبش ابن نوح کی اولاد سے ہین، اسی بددعا کے اثر سے ان سب کا رنگ کالا ہوگیا،" ابن خلدون نے اس سیاہ رنگی کو طبائع کائنات' ہواؤن اور حرارت کی تاثیرات پر محمول کیا ہے، اور یہی حقیقت ہے"

ہم کو یہ بیان پڑھکر سخت حیرت ہوئی کہ مسعودی جیسے وسیع النظر عالم نے جو تنہا مورخ ہی نہ تھا، بلکہ ہیئت ونجوم اور طبیعیات کا بھی فاضل تھا، کس طرح ایسی لغو بات لکھدی، اس کی کتابون میں تلاش کیا، تو حیرت مصنف کی ناواقفیت اور لاعلمی مین منتقل ہوگئی، مسعودی نے حبشیون کے رنگ کی سیاہی کے بارہ مین وہی لکھا ہے جو ایک مورخ اور ہیئت وطبیعیات کے عالم کو لکھنا چاہئے تھا، چنانچہ کتاب التنبیہ والاشراف مین وہ معمورہ ارض کی طبعی حالت اور اس کی آبادی پر اس کے اثرات کے سلسلہ مین حبشیون کے متعلق لکھتا ہے:

"ربع جنوبی کے باشندے حبشی زنگی اور وہ تمام قومیں جو خط استوا کے نیچے آفتاب کے مقابل میں بستی ہین، حرارت کی لپٹ اور رطوبت کی کمی کی وجہ سے ان کا رنگ سیاہ اور ان کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور ان میں وحشت آگئی اور گرم ہواؤن کی لپٹ آب وہوا کے اثر مان کے رحم مین جنین کی پختگی اور گرم وخشک بخارات کی وجہ سے ان کا رنگ جھلس گیا، بال گھونگھریالے ہوگئے، اس لئے کہ آفتاب کی حرارت سے سیدھے بالون کو جتنی قربت اور دوری ہوگی، اس کے اعتبار سے وہ سکڑین گے، پھر آپس میں مل جائین گے، اور آخر مین گچھا بن جائیں گے" [1]

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی ص ۲۰ مطبوعہ پیرس،

یہ ہے مسعودی کا بیان جس کو مصنف نے بالکل بدل دیا، لیکن اس مین بھی وہ بے قصور ہین، اس لئے کہ ان کو براہ راست مسعودی دیکھنے کا اتفاق کہان ہوا ہوگا، محض سُنی سنائی بات لکھدی، ورنہ اتنی صریح غلطی عمداً نہین کر سکتے تھے، ایک اور مقام پر لکھتے ہین:

"تیسری صدی ہجری میں حلولیت کا عقیدہ مسلمانون کے بڑے طبقہ پر حاوی تھا، ان میں بہت درویش خدا کی روح کی حلولیت کے قائل تھے"

حلول کا عقیدہ "مسلمانون کے بڑے طبقہ کیا چھوٹے سے طبقہ مین بھی نہ تھا، بعض غالی شیعی فرقے اپنے آبائی عجمی عقائد کے اثر سے البتہ اپنے ائمہ مین حلول کے قائل تھے، ان کے اثر سے بعض اور فرقون مین بھی اس قسم کے عقائد پھیلے، مثلاً رزامیہ، مقنعیہ، حلمانیہ اور حلاجیہ، ابو مسلم خراسانی، مقنع، ابو حلمان دمشقی، اور منصور حلاج مین حلول کے قائل تھے، لیکن یہ محض برائے نام فرقے تھے، ان کی جماعت بہت مختصر تھی، اور جلد ہی ختم بھی ہوگئے، اسی لئے صرف تاریخون مین ان کے نام ملتے ہین، امام عبد القاہر بغدادی نے کتاب الفرق بین الفرق مین بعض کے حالات لکھے ہین [1]، لیکن یہ فرقے کبھی بھی مسلمان نہین سمجھے گئے، حتی کہ شیعی علماء تک نے حلول کے قائل شیعی فرقون کو خارج از اسلام قرار دیا، نوبختی نے فرق الشیعہ مین ان کی تکفیر کی ہے [2]،

ایسی حالت مین حلول کو مسلمانون کے بڑے طبقہ کا عقیدہ کہنا کہان تک صحیح ہوسکتا ہے، (باقی)

---

[1] کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۳۹ تا ۲۵۰ [2] ملاحظہ ہو فرق الشیعہ ابو محمد حسن بن موسی نوبختی

حیدرآباد کی ایک تعلیمی جوبلی

از

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب صدیقی استاذ جامعہ عثمانیہ

مملکتِ آصفیہ کی موجودہ درسگاہون مین سب سے قدیم سرکاری ادارہ دار العلوم ہے جس کے قیام کو ۱۳۶۲ھ مین نوے سال گذر چکے، یہ درس گاہ ملک کے نظامِ تعلیم کا مرکز رہی ہے، اور اسی کے حصۂ اعلیٰ نے پچیس سال ہوے جامعۂ عثمانیہ کا قالب اختیار کیا، اور دار العلوم کالج کو وہان شعبۂ دینیات قرار دیکر اوّلاً شعبۂ فنون کا اور پھر رفتہ رفتہ سائنس، انجینیری، تعلیم المعلمین، طب، کلکاری وغیرہ کا اضافہ عمل مین آتا رہا،

شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ کے طلبہ جو بجا طور پر اپنے آپ کو جامعۂ عثمانیہ کے سب سے قدیم اور سب سے اہم جزء کا نام لیوا سمجھتے ہین، ہر سال اپنی درسگاہ کا یوم تاسیس مناتے ہین، سال حال کی تعطیلات عید الاضحیٰ مین طلبہ قدیم وجدید نے اہلِ ملک کی ہمدردی واشتراکِ عمل سے اپنی درسگاہ کا نود سالہ جشن بڑی شان سے منایا، اس کا مختصر تذکرہ ناظرینِ معارف کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جاتا ہے،

خانوادۂ آصفی کو تعلیم سے جو خصوصی دلچسپی ہے اس کا مظاہرہ اس جشن مین اس طرح ہوا کہ سلطان العلوم آصف جاہ سابع نے اپنے بھائی شہزادہ بسالت جاہ بہادر کو اس امر پر مامور فرمایا کہ جشن دار العلوم کا افتتاح فرمائین، شہزادۂ موصوف نے علوم اسلامیہ اور ثقافتِ اسلامیہ کی عالمگیر اہمیت اور اس سے اہلِ زمانہ کی مجرمانہ غفلت پر پرزور الفاظ مین توجہ مبذول کرائی، اور فرمایا کہ حیدرآباد جو ہند مین اسلامی تحریکون کا مرکز ہے اس بارے مین جو بھی اقدام کرے، وہ ضروری وبر وقت بھی ہے، اور اس کے شایانِ شان بھی،

اس جشن کے متعدد اجزاء و شعبے تھے :-

۱- خطباتِ علمیہ اس مین تاریخ تعلیم اسلامی، تاریخ دار العلوم، جامعۂ عثمانیہ کے قیام کی اندرونی سرگذشت، شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ کی پچیس سالہ کوشش، جدید طرز سے علومِ اسلامیہ کی تحقیق وتعلیم وغیرہ شامل تھے، یہیں وزیر تعلیم کی زبانی حکومتِ آصفی کے اس ارادے کا نیم سرکاری اعلان ہوا کہ جملہ مسلم طلبہ کے لئے عربی لازم کردینا حکومت کے پیشِ نظر ہے،

۲- محفلِ عربی ایک خصوصی نشست مین صرف عربی تقریرون، مقالون اور نظمون کا انتظام کیا گیا تھا، جو انتہائی کامیاب رہا، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ نئی پود مین بھی بحمد اللہ عربی تعلیم کافی پائی جاتی ہے،

۳- مظاہرۂ تجوید کی خصوصی نشست، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانون مین اپنے اس خاص فن کا ذوق روز افزون ہے، فنِ تجوید پر بعض دلچسپ مقالون کے ضمن مین قراٰتون کے مختلف اقسام کے عملی مظاہرے بھی کئے گئے، مثلاً قراآتِ سبعہ، قراآت عشرہ وغیرہ،

۴- فارسی مشاعرہ اس مین طرحی مصرع یہ تھا،

این چنین دار العلومے کہ دکن پیدا کند

سلطان الشعرا حضرت آصفجاہ سابع نے بھی طرحی مصرع پر ایک غزل سرفراز فرمائی تھی،

۵- فانوسی تقریرون مین ایک تقریر مناظرِ حجاز وبیت المقدس پر تھی، اور دوسری دکن کی اسلامی تہذیب پر، دونون بڑی سبق آموز اور دلچسپ رہین،

۶- نمایشِ ثقافتِ اسلامیہ، یہ نمایش پورے جشن کی جان تھی، صرف ایک ہفتہ کھلی رہنے کے باوجود ہزار ہا آدمیون نے اس کا معائنہ کیا جن مین ہر مذہب اور ہر طبقے کے لوگ شامل تھے، آخری دنون مین واقعۃً نمایش گاہ مین تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تھی، پانچ پانچ ہزار اشخاص روزانہ آتے تھے،

حال مین ہم اس کی نمایش کے حالات، معارف مین چھپ چکے ہین، حیدرآباد کی نمایش بھی انہی کا نمونہ

کے زیر انتظام ہوئی، اس لئے اس کی تکرار کے بجائے اس نقش ثانی کی صرف بعض خصوصیتون کا ذکر کیا جاتا ہے،

اس نمایش مین فلکیات کا شعبہ زیادہ مکمل اور دلچسپ تھا، قسم قسم کی دھوپ گھڑیان، دیسی ساخت کی قدیم دور بین جس کی سند سے معلوم ہوتا تھا، کہ نواب آصف الدولہ حکمران اودھ نے کسی کو عطا کی تھی، مختلف نمونون کے اسطرلاب، ربع مجیب، فلکیات مین مسلمانون کی تحقیقاتون کے حالات (مثلاً آفتاب کے داغ، قطر زمین کی پیمایش، انعطاف شعاع، مد و جزر کے وجوہ وغیرہ) جلی خط مین نمایان کئے گئے تھے، ایک بہت بڑے نقشے مین کرۂ سماوی اور ستارے بنائے گئے تھے، اور ہر ستارے کا عربی اور انگریزی نام بھی لکھا تھا، جس سے معلوم ہوتا تھا، کہ پچانوے فی صدی نام عربی ہی کے مغربی زبانون مین برقرار ہین صرف تلفظ بگڑ گیا ہے،

جغرافیہ مین ادریسی وغیرہ کے نقشہ ہائے عالم، علم ملاحی مین قسم قسم کے عربی جہازون کے نقشے دلچسپ چیز تھے،

مخطوطات کا شعبہ بہت اہم تھا، نادر کتب مین صحیفہ ہمام بن منبہ المتوفی ۱۳۱ھ، خاص چیز تھی، اس کے علاوہ انجیل کا عادل شاہی دور کا فارسی ترجمہ جو ایک مسلمان عالم نے کیا تھا، پانچوین صدی ہجری اور اس کے بعد کے لکھے ہوئے نسخے، یاقوت مستعصمی، عماد، میر علی وغیرہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابین (در قرآن مجید، داراشکوہ و عالمگیر کے مخطوطہ قرآن، حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کے قرآن کا فوٹو جو ترکی حکومت نے شائع کیا تھا، حافظ ابن حجر وغیرہ مشاہیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں، ابن القیم کی نادر روزگار تالیف احکام اہل الذمہ (جلد اول چھ سو صفحون مین تھی، اس کے اجزاے مابعد کا پتہ نہین)

سکون مین بنی امیہ سے لے کر اب تک کے تقریباً ہر اہم اسلامی حکمران خانوادے کی نمایندگی ہوئی تھی، سبکتگین، بلبن، تغلق، شیر شاہ سوری، احمد شاہ ابدالی، بچۂ سقہ، نادر خان و ظاہر خان، نیز مختلف ممالک اسلامی (جاوا، مشرقی افریقہ، زنجبار، مسقط، عمان وغیرہ) وغیرہ وغیرہ کے سکے تھے،

سیرۃ النبی کا شعبہ زیادہ اہم تھا، سوڈیڑھ سو مقامات کے فوٹو ون کے ذریعہ ولادت

باسعادت سے وفات تک کے حالات نمایان کئے گئے تھے، اس مین غار حرا، غار ثور، بدر و طائف، احد و خندق، مناظر حج اور دیار حبیب کے فوٹو تھے،

تاریخ اسلام کے نقشے بھی دلچسپ تھے، عہد نبوی و خلافت راشدہ کے فتوحات کا پانچ رنگی نقشہ، عالم، تیرہ سو سالہ فتوحات اسلامی کا دس رنگی نقشہ، دنیا کی موجودہ اسلامی آبادیون کا تفصیلی نقشہ تین رنگون مین مع اعداد و شمار،

اسلحہ کا شعبہ بھی اہم تھا، قسم قسم کی تلوارین، اور دیگر اسلحے جن کے کام و استعمال کا کیا ذکر ان کے نام تک سے اب نئی نسل بے خبر ہو گئی ہے، فاروقی سلاطین کی توپین، اورنگ زیب وغیرہ کی تلوارین، حروب صلیبیہ کے زمانے کی تلوار، بہادر شاہ کی تلوار، آہن ربا، جنبیہ وغیرہ،

تصاویر کے ذخیرہ نے قدیم و جدید استادون کا بڑا جمگھٹا پیدا کر دیا تھا، جو خاص کر دکن کی تاریخی شخصیتون کا مکمل مرقع کہا جا سکتا ہے.

دکن کی ڈیڑھ دو صدی پہلے کی امیرانہ زندگی کے سامان، سنہری قالین، چاندی کی جڑاؤ کرسیان، صوفے، میزین وغیرہ،

اس نمایش نے نوجوانون مین ایک لہر دوڑا دی ہے، اور اونھین اپنے گھرون کے سامانون کی اہمیت کی جانب متوجہ کر دیا ہے، کہ وہ کتنے ہی بوسیدہ اور خراب کیون نہ ہون، نہایت قیمتی اور قابل تحفظ ہین،

توقع ہے کہ یہ نمایش ان شاء اللہ جلد ایک معرض ثقافت اسلامیہ کی صورت مین مستقل میوزیم کی حیثیت اختیار کرے گی، جس مین منظم اور باقاعدہ طور سے سامان تیار اور فراہم کر کے جمع کیا جایا کریگا، جو تاریخ و تمدن اسلامی کے لئے ایک درس گاہ بن جائے گا، ابھی تو یہ خانگی کوششین ہین، خدا کرے پروان چڑھین،

خطباتِ علمیہ میں مولانا سید سلیمان ندوی کا مقالہ "اصول فقہ" پر رکھا گیا تھا، مگر موصوف کی آمد کی تاریخ میں خانگی وجوہ سے تبدیلی ہو گئی، اس مقالہ کو روئداد جشن میں شامل کرنے کی کوشش کیجائے گی، جشن کی طرف سے تذکرۂ دار العلوم کے نام سے ضخیم کتاب شائع ہو چکی ہے، اور سامانِ نمائش کی مفصل فہرست شائع اور خطبات علمیہ کی طباعت کا کام شروع ہو چکا ہے،

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ برطانوی ہند کی قدیم ترین جامعات کلکتہ مدراس و بمبئی کے قیام سے بھی ایک سال قبل دار العلوم حیدرآباد کا افتتاح ہوا تھا، اور غالبًا ہندوستان کے غیر سرکاری اسلامی مدارس میں بھی اب کوئی اتنا قدیم موجود نہیں ہے، وللہ عاقبۃ الامور،

حیاتِ شبلی حصہ اول

حیات شبلی جس کا مدتوں سے شائقین کو انتظار تھا، چھپ کر شائع ہو گئی ہے، یہ کتاب تنہا علامہ شبلی مرحوم کی سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، اصلاحی اور دوسری تحریکوں، اور سرگرمیوں کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت، اوس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اور خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر، انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علماء کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہیں، اس کی ضخامت مع مقدمہ و دیباچہ وغیرہ کے ۹۰۰ صفحے ہیں، اس کے علاوہ دار المصنفین ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اور شبلی انٹر کالج کی عمارتوں کے تیرہ ہاف ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہیں، کاغذ اور طباعت اعلیٰ،

قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیے،

منیجر

باب المراسلۃ والمناظرۃ

ابن منصور حلاج کو پھانسی نہیں سولی دی گئی ہے!

از

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

قال الخطیب فی تاریخہ انبأنا ابن الفتح	خطیب نے اپنی تاریخ میں کہا کہ ہمیں خبر دی ابن
انبأنا محمد بن الحسین سمعت عبد اللہ	الفتح نے، اوس نے کہا کہ اس سے کہا محمد بن حسین نے
ابن علی سمعت عیسی القصار یقول آخر	کہ میں نے عبد اللہ بن علی سے سنا کہ وہ کہتا تھا
کلمۃ تکلم بہا الحسین بن منصور	کہ میں نے عیسی القصار کو کہتے ہوئے سنا کہ آخری
عند قتلہ وصلبہ، ان قال حسب	بات جو حسین بن منصور کی زبان سے اس کے قتل
الواحد افراد الواحد لہ فما سمع	اور سولی کے وقت نکلی، وہ یہ تھی کہ واحد کے لئے یہ کافی ہے
بہذہ الکلمۃ احد من المشائخ	کہ واحد اوسی کے لئے مخصوص ہے، مشائخ میں سے
الا رق و استحسن ہذا الکلام منہ	اس جملہ کو جس نے سنا اس پر رقت طاری ہوئی
و فی تاریخ القزوینی فی ذکر البیضا	اور تاریخ قزوینی میں شہر بیضا کے ذکر میں ہے
ما نصبہ فقال الوزیر للقاضی اکتب	پھر وزیر نے قاضی سے کہا کہ لکھو کہ یہ زندیق ہے،
انہ زندیق فاخذ خط القاضی و	پھر اس نے قاضی کی تحریر کو لے لیا، اور اس کو

[illegible]

وبعث الی الخلیفة فامر الخلیفة بصلبه	خلیفہ کے پاس بھیجا، چنانچہ خلیفہ نے اوس کو
وفیه ایضاً فلما صلب واحرق اخذ	سولی دینے کا حکم دیا، اور اسی میں ہے جب
الماء فی الزیادة حتی کاد یغرق	سولی دیدی گئی، اور جسم جلا دیا گیا، (تو دریا
بغداد، الخ،	کا) پانی اس قدر بڑھ گیا، کہ قریب تھا کہ بغداد
(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو القول المنصور ص ۱۶۵ و ص ۲۰۳)	ڈوب جائے[۱]،

پس ستمبر ۴۳ء کے معارف مین جو علمی لطیفہ کے طور پر یہ لکھا گیا ہے کہ ابن منصور کو شعراء نے دار پر چڑھایا، اور دار و رسن کو اس سے جلوہ پہنچایا، یہ لطیفہ درست نہین، تاریخ سے اس کا مصلوب ہونا ثابت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اولاً ایک ہزار ضرب تازیانہ کی سزا دی گئی، پھر ہاتھ پیر کاٹے گئے، پھر سولی پر چڑھا دیا گیا، جب روح پرواز کر گئی، سر کاٹ کر تشہیر کی گئی، اور بدن کو جلا کر خاک کر کے دریا مین بہا دیا گیا، امید ہے کہ اشاعت آئندہ میں اس امر کو واضح کر دیا جائے گا، شیخ عطار نے بھی تذکرة الاولیا میں سولی دیئے جانے کا ذکر کیا ہے، مگر شاید آپ اون کو شعراء میں داخل کر دین، اسلئے خطیب و قزوینی ہی کے بیان پر اکتفا کیا۔

معارف:- افسوس ہے کہ جو روایتین سطور بالا مین نقل کی گئی ہین، اُن سے مولانائے موصوف کے اس قیاس کی تصدیق نہین ہوتی کہ

"اولاً ایک ہزار تازیانہ کی سزا دی گئی، پھر ہاتھ پیر کاٹے گئے، پھر سولی پر چڑھا دیا گیا، جب روح پرواز کر گئی، سر کاٹ کر تشہیر کی گئی، اور بدن کو جلا کر خاک کر کے دریا میں بہا دیا گیا"۔

بلکہ یہ قیاس خطیب کی اس تصریحی روایت کے مخالف ہے کہ

ولما بلغ الف سوط قطعت یده ثم	اور جب ہزار کوڑے پورے ہوگئے تو اس کا
رجله ثم یده ثم رجله ثم	ہاتھ کاٹا گیا، پھر اس کا پاؤن، پھر ہاتھ پھر

[۱] ان عربی عبارتون کے ترجمے کی ذمہ داری مراسلہ نگار پر نہین ہے،

حز راسه واحرقت جثته،	پاؤن کاٹا گیا، اور اس کا سر کاٹ دیا گیا، اور
(خطیب ج ۸ ص ۱۴۰)	اس کا دھڑ جلا دیا گیا،

سولی دینے کے لئے دونون ہاتھون کو پھیلا کر درخت مین لٹکانا چاہئے تھا، لیکن جب دونون ہاتھ پہلے ہی کاٹے جا چکے تھے، تو سولی کا دیا جانا ممکن کیسے ہو سکتا ہے، کیونکہ پھانسی دینے کا، جس کو عربی مین "خنق" کہتے ہین، اس زمانہ مین رواج نہ تھا، بلکہ کسی مجرم کو مار ڈالنے کے بالعموم یہی دو طریقے رائج تھے، یعنی یا تو قتل کر دیتے تھے یا سولی دیتے تھے، لیکن اسلامی عہد کے ابتدائی دور مین سولی دینے کا رواج بھی عموماً نہ تھا، بلکہ بہت ہی اہم موقعون پر اسی طرح ہاتھ پاؤن کاٹے جاتے تھے، پھر عبرت و سبق آموزی کے لئے سر کو تن سے جدا کر کے کسی شاہراہ عام یا فصیل کی برج یا قلعہ کے پھاٹک پر لٹکا دیتے تھے، اور یہی صورت منصور حلاج کے ساتھ پیش آئی، چنانچہ حجاج نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو شہید کرنے، اور سر کو عبد الملک کے پاس بھیج دینے کے بعد ان کی لاش شارع عام پر لٹکوا دی تھی، ابن اثیر مین ہے:-

وبعث الحجاج براسه ...... الی	اور حجاج نے ان کے سر کو ...... عبد الملک
عبد الملك بن مروان واخذ	ابن مروان کے پاس بھیجا، اور ان کے دھڑ کو لیا،
جثته فصلبها، (جلد ۴ ص ۲۹)	اور اس کو لٹکا دیا،

[۱] مولانائے موصوف نے معارف کے عنوان کیا منصور حلاج کو پھانسی دی گئی"، (مطبوعہ ستمبر ۴۳ء) پر اپنے مراسلہ کا عنوان "پھانسی نہین سولی دی گئی" قائم فرمایا ہے، لیکن اردو مین پھانسی اور سولی دونون مترادف و ہم معنی الفاظ ہین، ملاحظہ ہو نور اللغات (ج ۳ ص ۳۸۰) سولی: پھانسی، سولی چڑھانا، پھانسی دینا، دار پر کھینچنا، سولی چڑھنا: پھانسی پانا، (ج ۲ ص ۱۰۰) پھانسی، پھندا،

(۱) وہ حلقہ جس کے ذریعہ سے آدمی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے ہین،

(۲) وہ ستون اور رسی کا پھندا جس پر چڑھا کر آدمی کو لٹکا دیتے ہین،

ورنہ جب "قتل" اور "صلب" مار ڈالنے کے دو علٰحدہ علٰحدہ طریقے ہیں، تو کسی کو مار ڈالنے کے لئے ان میں سے کسی ایک ہی طریقہ کو اختیار کیا جاسکتا تھا، خصوصاً جب حلاج کے ہاتھ کاٹے جاچکے تھے، تو سولی دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا :-

لان الرجل اذا صلب مد یدہٗ	کیونکہ جب آدمی کو سولی دی جاتی ہے
وباعہ علی الجذع،	تو اس کے ہاتھ اور بازو (سولی کی) لکڑی
(لسان العرب ج ۲ ص ۱۴)	پر پھیلائے جاتے ہیں،

اس لئے مولانا ے موصوف نے جو روایت پیش کی ہے، اس میں "عند قتلہ وصلبہ" کے معنی عند قتلہ وتعلیقہ کے ہیں، کیونکہ

الصلب ھو تعلیق الانسان للقتل	"صلب" کے معنی انسان کو مار ڈالنے کے لئے
(مفردات راغب ص ۲۵۴)	لٹکانے کے ہیں،

اس لئے قتل کے بعد صلب سے مراد اس کے سر کو بغداد کے پل پر لٹکائے جانے سے ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ قتل کئے جانے کے بعد دو دن تک اس کا سر بغداد کے پل پر لٹکا رہا، خطیب میں ہے :-

ونصب الراس یومین ببغداد	اور سر دو دن تک بغداد کے پل پر نصب رہا،
علی الجسر ثم حمل الی خراسان و	پھر خراسان لیجایا گیا، اور اس کے نواح
طیف بہ فی النواحی (خطیب جلد ۸ ص ۱۴۱)	میں گھمایا گیا،

بلکہ انہی لمحوں کے متعلق جب اس کا سر بغداد کے پل پر لٹکا ہوا تھا، ایک دوسری روایت ہے، جس میں اس کے سر کے لٹکے ہونے کی وجہ سے "صلب اور مصلوب" کے الفاظ آئے ہیں :-

یقول لما صلب الحسین بن منصور	جب حسین بن منصور کو چڑھایا گیا، تو میں اس
ووقفت علیہ وھو مصلوب فقال ...... (خطیب)	کے پاس کھڑا تھا، اس حال میں کہ وہ سولی

دراصل یہاں بھی "مصلوب" سے مقصود وہی معلق سر ہے، اس موقع پر "صلب" کے معنی "تعلیق یا نصب راس" کے جو لئے جارہے ہیں، یہ کسی تاویل یا قیاس پر مبنی نہیں، بلکہ یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کا بدیہی ثبوت حلاج کے معاصر مورخوں کے بیانوں میں موجود ہے، چنانچہ عریب بن سعد قرطبی کی صلہ تاریخ طبری میں حلاج کے پیرو ون کے ذکر میں حسب ذیل صاف و صریح الفاظ موجود ہیں :-

من الحوادث (فی سنۃ ۳۱۲ھ) ان نازوک	۳۱۲ھ کے واقعات میں یہ ہے کہ نازوک بغداد
جلس فی مجلس الشرطۃ ببغداد	میں مجلس شرطہ میں حلاج کے پیرووں میں سے
فاحضر لہ ثلثۃ نفر من اصحاب الحلاج	تین آدمی اس کے سامنے پیش کئے گئے، وہ
وھو حیدرہ والشعرانی وابن منصور	حیدرہ، شعرانی اور ابن منصور تھے، ان سے
نطالبھم بالرجوع عن مذھب	حلاج کے مذہب سے لوٹ جانے کا مطالبہ
الحلاج فابوا فضربت اعناقھم	کیا گیا، تو انھوں نے انکار کیا، چنانچہ ان
ثم صلبھم فی الجانب الشرقی	کی گردنیں ماردی گئیں، پھر ان کو بغداد
من بغداد ووضع روٴسھم علی سور	کے مشرقی جانب سولی پر چڑھا گیا، اور ان
السجن فی الجانب الغربی،	کے سروں کو مغربی جانب قید خانہ کی
(ص ۱۰۷)	فصیل پر لٹکایا گیا،

جو روایت اوپر گذری، اس کے علاوہ اس میں اور دوسری روایتیں بھی ہیں، جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ "عند صلبہ" سے خطیب کی مراد وہی ہے، جو ہم نے بیان کی ہے، ورنہ یہ روایتیں اس کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً ایک دوسرے موقع پر ہے،

حدثنا عبید اللہ بن احمد بن	عبید اللہ بن عثمان صیرفی نے ہم سے بیان
عثمان الصیرفی قال قال لنا ابو عمر	کیا، کہ ہم سے ابو عمر بن حیویہ نے کہا کہ جب

بن حیویہ لما اخرج حسین الحلاج	حسین حلاج قتل کئے جانے کے لئے نکلا تو مین
لیقتل مضیت فی جملۃ الناس و	بھی اور لوگوں کی طرح دیکھنے کے لئے گیا، اور
لم ازل ازاحم حتی رایتہ فقال	مجمع مین گھس پل کر اس کو دیکھا، اوس نے اپنے
لاصحابہ: لایھولنکم ھذا فانی	ساتھیوں سے کہا کہ تم اس سے گھبراؤ نہین
عائد الیکم بعد ثلاثین یوماً ثم	مین تیس دن کے بعد پھر تمھارے پاس
قتل (جلد ۸ ص ۱۳)	لوٹ آؤن گا، اسکے بعد قتل کردیا گیا،

اسی طرح مذکور ہے کہ کوتوال کو ہدایت کی گئی کہ اس کو کوڑے لگانے کے بعد اس کا سر کاٹ کر علٰحدہ رکھ لیا جائے، اور پورا دھڑ جلا دیا جائے، (تاریخ خطیب ج ۸ ص ۱۴۰)

علاوہ ازین یہ صرف خطیب پر موقوف نہیں بلکہ اس عہد کے اکثر مورخین نے اس کے قتل ہی کئے جانے کا تذکرہ کیا ہے، اور یہ روایتیں اس حیثیت سے بڑی اہم، مستند اور قابلِ ذکر ہین کہ ان مورخین مین سے بعض حلاج کے معاصر اور بعض اس کے قریب العہد ہین، مثلاً مشہور مورخ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ کا معاصرانہ بیان ملاحظہ ہو،

ضرب الف سوط و قطعت یداہ	اس کو ایک ہزار کوڑے مارے گئے، اور
ورجلاہ و ضربت عنقہ واحرقت	اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے، اور
جثتہ،	اس کی گردن مار دی گئی، اور اس کے دھڑ
(کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۸۷)	کو جلا دیا گیا،

عریب بن سعد قرطبی کا دوسرا معاصرانہ بیان ہے :-

فامر بقتلہ واحراقہ بالنار بعد	اوس کو ایک ہزار تازیانہ کی سزا دینے، اور
ضربہ الف سوط و قطع یدیہ	ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد قتل کرنے اور آگ مین

ورجلیہ ... فوقع الی صاحب	جلانے کا حکم دیا، ..... چنانچہ محمد بن عبد الصمد
شرطتہ محمد بن عبد الصمد بان	کوتوال کے حوالہ کیا گیا، کہ اس کو پل کے میدان
یخرجہ الی رحبۃ الجسر و یضربہ الف	مین لیجائے، اور ایک ہزار کوڑے لگائے اور
سوط و یقطع یدیہ ورجلیہ ففعل	اوس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے، چنانچہ اس کے
ذلک بہ (صلہ تاریخ طبری ص ۸۶ ط ۱)	ساتھ ایسا ہی کیا گیا،

اسی طرح ابن ندیم متوفی ۳۸۵ھ حلاج سے قریب العہد مورخ ہے، اوس نے بھی اپنی الفہرست میں جو ۳۷۷ھ میں تصنیف ہوئی، اس کے متعلق "فقتل واحرق" (چنانچہ قتل کیا گیا اور جلایا گیا) ہی لکھا ہے (ص ۲۷۱)

پھر اسی طرح ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ کی روایت ہے :-

ضرب الف سوط ثم قطعت یداہ ثم رجلہ ثم ضرب عنقہ واحرقت جثتہ ونصب راسہ علی الجسر (حاشیہ صلہ طبری ص ۹۵)	ہزار کوڑے مارے گئے، پھر اس کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر پاؤں کاٹے گئے، پھر اسکی گردن ماری گئی، اور اوس کا دھڑ جلا دیا گیا، اور اس کے سر کو پل پر نصب کیا گیا

ابن جوزی کا بیان ہے :-

فضرب الف سوط ثم قطعت یدہ، ثم	چنانچہ ہزار کوڑے مارے گئے، پھر اس کا ہاتھ
رجلہ و حز راسہ واحرقت جثتہ،	کاٹا گیا، پھر اوس کا پاؤن کاٹا گیا، اور اس کے
(حاشیہ بر صلہ تاریخ طبری ص ۱۰۶)	سر کو کاٹا گیا، اور جثہ کو جلایا گیا،

اسی طرح متاخر مورخین نے بھی اس کے سولی دیئے جانے کے بجائے اس کے قتل ہی کئے جانے کا تذکرہ کیا ہے ملاحظہ ہو الکامل ابن اثیر ج ۸ ص ۹۴، مرآۃ الجنان یافعی ج ۲ ص ۲۶۰، شذرات الذہب ابن عماد ج ۲ ص ۲۵۵ وغیرہ، ان صاف اور کھلی شہادتوں کی موجودگی مین کسی قیاس کی گنجایش نہین، اس لئے ان تصریحات کو سامنے رکھکر صحیح طور پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ حسین بن منصور حلاج کو سولی نہین دیگئی، بلکہ وہ قتل کیا گیا،

وفیات

سفیرِ غیب

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ التحیۃ والرضوان کی یاد میں)

از

جناب ابو الاسرار صاحب رمزی اٹاوی

نہ جانے کیا اچانک موج آئی اس کی رحمت کو — اٹھا کر لے گئی آغوش مین جبریل طاعت کو

اسی ماحول مین گم ہو گیا ہنستا ہوا تارہ — سوادِ اعظم اسلام کا رخشندہ مہ پارہ

وہ تارا جو رہا ملفوف احرامِ قیادت مین — گذاری جس نے اپنی زندگی اصلاحِ امت مین

بڑھاپے کا تو کیا کہنا مجسم آرزو ہو کر — خدا سے ہو گیا واصل، خدا کی جستجو ہو کر

یہ تیری خانقاہِ پاک، نورِ حق کا مینا رہ — حقیقت جس مین روشن ہے تجلی جس میں آوارہ

ابلتا دیکھتا ہون کوثر عرفان کا فوارہ — نظر کو بخشتا ہے دولتِ انوار، نظارہ

یہ تیری سروری ہے جس کو طاقِ معرفت کہئے

یقیناً تربیت گاہِ مذاقِ معرفت کہئے

حکیم ایشیا کہئے تجھے یا عارفِ مشرق — عجم سے تا حرم ہر سو ہے تیرا شہرہ ناطق

تری تقریر کیا ہوتی تھی کشفِ سامعہ کہئے — تجھے اسلام کا اک چلتا پھرتا جامعہ کہئے

وہ دولت لیکے اٹھتے تھے جو تیرا وعظ سنتے تھے — بغیر ساز و نغمہ وجد مین سر اپنا دھنتے تھے

اجالا اس طرح کرتا تھا پیدا ذہنِ فاسق مین

سپیدہ جیسے اگتا ہو ریاضِ صبحِ صادق مین

اس امت کے قدم نا رفتنی راہوں سے روکے ہین — کہ جن راہوں مین پوشیدہ جہنم زار ہوتے ہین

دماغِ جہل سے خارج کیا بیہودہ رسموں کو — کچل ڈالا تمدن کے شرر انگیز جلوؤن کو

اٹھا دی یک قلم ملت کی وہ رسمِ زادارہی — سمجھ رکھا تھا دنیا نے جسے رازِ وفا داری

تمیز کر دیا ناموسِ اکبر سے زوائد کو — روایاتی عناصر، اجنبی باطل عقائد کو

اُجاگر کر دکھایا دینِ فطرت کا پسِ منظر

مکدر ہو چکا تھا روغنِ اوہام سے یکسر

رُخِ اسلام کو حقانیت کی دھوپ مین دیکھا

اُسے تیری بدولت آسمانی روپ مین دیکھا

سبق تو نے دیا ہم کو محمد صلی اللہ (علیہ وسلم) کی اطاعت کا — خلوص آمیز عظمت اور سنجیدہ محبت کا

دلِ تاریک روشن کر دیئے تیری نگاہوں نے — درِ توبہ پہ رکھدی اپنی پیشانی گناہوں نے

سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو — جلالِ قیصری بخشا جمالِ خانقاہی کو

سوادِ آذرستان سے اندھیروں کو مٹا ڈالا — صنم زارِ دوآبہ کو خلیستان بنا ڈالا

نئے فتنے اٹھے اور اٹھ کے تغیر بدل ڈالین

مگر تو نے مسلمانوں کی تقدیریں بدل ڈالین

سیہ کاری نے جب بھی پاؤں پھیلائے بغاوت کے — خدا نے غیب سے بھیجے سفیر اپنی ہدایت کے

چنانچہ حجۃ اللہ بن کے آیا تھا زمانے مین — پیامِ رشد پوشیدہ تھا تیرے تازیانے مین

ملی تھی تجھ کو مشکوٰۃِ نبوت سے درخشانی
سلیقہ تیرا قدوسی، فراست تیری نورانی

تری تہذیب اسلامی، ترا کلچر مسلمانی
ڈسپلن سے ترے اغیار کو ہے سخت حیرانی

سیاست تیری فاروقی، ہدایت تیری نعمانی
ترا کیریکٹر مجموعۂ کردارِ روحانی

محقق، مجتہد، عالم، محدث، حافظ و قاری
باین اوصاف شہرت سے بری اظہار سے عاری

تواضع، سادگی، مردانگی، زہد و صفا کیشی
محمدؐ کے مشن کا ترجمہ تھی تیری پالیسی

نچھاور روح کرتا تھا نشانِ پائے احمدؐ پر
تصور اڑتا رہتا تھا ہمیشہ سبز گنبد پر

قدم راہِ نبیؐ میں اور پنجہ نبضِ امت پر
حکیمانہ نظر رہتی تھی بسط و قبضِ امت پر

ترا غیور جذبہ صورتِ فولاد محکم تھا
ترے پیکر میں روشن شعلۂ فاروقِ اعظمؓ تھا

نظر چہرہ سے پڑھ لیتی تھی کیفیاتِ پنہانی
بصیرت کو نظر آتا تھا مد و جزرِ انسانی

کمندیں پھینکتی تھیں اہرمن پر تیری تدبیریں
علاجِ معصیت ثابت ہوئیں اکسیر تحریریں

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکل میں تھیں استغنا کی تلواریں

کتابِ زندگی کا ہر ورق تصویرِ سنت ہے
تری ہر نقل و حرکت نقشۂ تدبیرِ سنت ہے

شرف تجھ کو ملا بزمِ ولا کی باریابی کا
صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

ترے پہلو میں نفسِ مطمئنہ کھلکھلاتا تھا
یقین تارِ نفس پر نغمۂ توحید گاتا تھا

دماغ و دل ترے مومن سہی کیا ہر ادا مومن
خدا کے ساتھ تیرا رشتۂ عشق و وفا مومن

تری حاضر جوابی سے ہر اک مسرور ہوتا تھا
ترا سادہ سا فقرہ مصرعۂ منثور ہوتا تھا

بفیضِ پرتوِ امدادِ حق ہر فن میں کامل تھا
نہ کیوں ہوتا کہ آخر دیدۂ یعقوبؑ کا تل تھا

تو شاگردِ رشید ایسا کہ استاذِ زمان نکلا
زمینِ ہند کا ذرہ چراغِ آسمان نکلا

تری تحقیق کے جھنڈے سرِ افلاک لہرائے
جہانِ سائنس کا ذہنِ رسا جانے سے لنگڑائے

کسے گنجائشِ شک ہے مبارک کامرانی میں
کہ اک "دنیائے ہو" چھوڑی ہے اس دنیائے فانی میں

ترے انجام برتر کا پتہ آغاز دیتا تھا
ترا مستقبلِ تابان تجھے آواز دیتا تھا

تو میدانِ صحافت میں بھی سبقت لے گیا سب سے
کہ تو سو تک پہنچ جاتا ہے تصنیفات کا نمبر

مقدس اسپرٹ کے جوہر و جذبات دیکھے ہیں
صحیفے تیرے خطبے اور ملفوظات دیکھے ہیں

کسی میں فلسفہ منطق، کسی میں نورِ حکمت ہے
ذخیرہ علمِ دین کا، گنجِ اسرارِ نبوت ہے

ترے حکمت بھرے نسخوں سے بوئے علم آتی ہے
فضائے روح میں جو نور بنکر پھیل جاتی ہے

جنہیں پڑھنے سے عقبیٰ کے چمن کی یاد آتی ہے
اسی دار البقا سچے وطن کی یاد آتی ہے

مطالب جن کے قاری کو غذائے فکر دیتے ہیں
تغافل کیش روحوں کو پیامِ ذکر دیتے ہیں

کہ جن سے دل کے میلے آئینے خود دھلتے جاتے ہیں
حجابات اٹھتے جاتے ہیں، دریچے کھلتے جاتے ہیں

مرقع ہے حدیثوں کا، الٰہیات کا دفتر
ہمارے واسطے چھوڑا ہے کیا پاکیزہ لٹریچر

لکھے گا وقت آبِ زر سے تیرے کارناموں کو
مسلمان حفظ کرے کاش ان زریں پیاموں کو

نفع اندوزیاں بامِ فلک پر چڑھتی جاتی ہیں
سلام شکر احسانوں پہ تیرے پڑھتی جاتی ہیں

جو سچ پوچھو جہاں میں قطبِ ارشاد و ہدایت تھا
ترے تبلیغ کے ہاتھوں میں فانوسِ رسالت تھا

ترسیٹھ سال تک تونے ہمیں تبلیغ فرمائی
یہی وہ عمر تھی جو سرورِ کونین نے پائی

یہ رمزی بے بصیرت ہو ترے رتبہ کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا، وہ ترے اوصاف پہچانے

یہ خدامِ شریعت ہیں جو مانندِ پیمبر ہیں
وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے سمندر ہیں

جہان سے نقش مٹ سکتا نہیں اللہ والوں کا
یہ تیرا مرثیہ کیا ہے قصیدہ ہے کمالوں کا

تری تعریف سے تعریفِ ربانی عبارت ہے
کہ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ سب اسکی امانت ہے

عقیدت نے جسے لکھا ہو قرطاسِ محبت پر
جسے بیتابیاں پڑھتی ہیں خلوت میں بچشمِ تر

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

آہ! حکیم الامۃ

از جناب فکرؔ ندوی

ہر اشکِ غم میں شورشِ طوفان ہے آجکل
ماتم یہ کس کا دیدۂ گریان ہے آج کل

کس کے ریاضِ عمر پہ یہ آگئی خزان
بدلا ہوا جو رنگِ گلستان ہے آج کل

شمعِ دلِ فسردۂ عاشق بجھی ہوئی
علم و عمل کی شمع فروزان ہے آج کل

اب زہد و اتقار کی وہ رونق نہیں رہی
دنیا کمالِ شرع کی ویران ہے آج کل

یہ جلوہ گر ہے کون بہشتِ نعیم میں
نازان جو اپنے بخت پہ رضوان ہے آج کل

له ممدوح رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ۱۹-۲۰ سال میں فارغ التحصیل ہوگئے تھے، اور بعمر ۸۲ سال واصل بحق ہوئے، گویا ۶۳ سال تک تبلیغ حق میں مشغول ہوئے جو آنحضرت صلعم کی عمر مبارک ہے،

ہے ہائے اکہ اب نہ دل ہو نہ دل کے وہ ولولے
کتنی خلافِ گردشِ دوران ہے آج کل

وہ اٹھ گیا جو پیرِ طریقت نواز تھا
وہ اٹھ گیا کہ جس پہ شریعت کو ناز تھا

اب کس کے آستان پہ جھکائیں جبینِ شوق
وہ تاجدارِ علمِ شریعت نہیں رہا

کیونکر نہ پاش پاش ہو دل شامِ ہجر میں
وہ آفتابِ زہد و طریقت نہیں رہا

اب کس سے درسِ حکمت و اخلاق لے جہان
افسوس وہ معلمِ فطرت نہیں رہا

وہ صاحبِ علومِ حقیقی کہاں گیا؟
وہ وارثِ رموزِ نبوت نہیں رہا

تھانہ بھون کے گلشنِ علمی میں ہے خزان
وہ باغبانِ باغِ حقیقت نہیں رہا

کیونکر نہ قوم خاک اڑائے فراق میں
وہ خضرِ قوم و ہادیِ ملت نہیں رہا

خالی ہے بزم انجمن آرا نہیں کوئی
اب طالبانِ حق کا سہارا نہیں کوئی

منزل کے اب نشان نظر آتے نہیں ہیں
گم گشتہ راہ قوم کے رہبر کہان ہے تو

اے آفتابِ مشرقِ دین تو کہان گیا؟
اے اوجِ علم کے مہِ انور کہان ہے تو

خانہ خراب ہند میں ہے امتِ رسولؐ
اے ترجمانِ دینِ پیمبرؐ کہان ہے تو

مضطر ہے دل خدا کی قسم تیری یاد میں
اے وجہِ راحتِ دلِ مضطر کہان ہے تو

تیری مصنفات پہ پڑتی ہے جب نگاہ
کہتا ہے دل کہ علم کے سرور کہان ہے تو

علم و عمل کا پوچھنے والا نہیں کوئی
علم و عمل کے حامی و یاور کہان ہے تو

آن گل کہ در ریاضِ حقیقت شگفتہ شد
رفت از چمن بگوشۂ تربت نہفتہ شد

تھانہ بھون میں اب وہ تجلی نہیں رہی — محروم جلوہ آہ ہماری نظر ہے آج
جو وجہ افتخار جہاں تھا کہاں ہے وہ — جس پر کہ ہم کو ناز تھا آقا کدھر ہے آج
دل ہی میں ظلمتِ غم فرقت نہیں فقط — خود بے چراغ محفلِ شام و سحر ہے آج
کس کے لئے ہے ملتِ اسلام سوگوار — تربت پہ کس کی ایک جہاں نوحہ گر ہے آج
تاریک کائنات ہے اپنی نگاہ میں — یعنی فروغِ شمس نہ نورِ قمر ہے آج
ماتم ہے کس کا انجمنِ علم و فضل میں — دنیائے علم و فضل جو زیر و زبر ہے آج

مائیم سینہ چاک بمرگِ ولی دریغ!
آمد صدائے غیب کہ اشرف علی دریغ!

ہم دل شکستہ جادۂ ہستی میں کیا کریں — یارب ہمارا قافلہ سالار کیا ہوا
اب کون دستگیر ہوا اپنا جہان میں — ہم جس کے خوشہ چیں تھے وہ گلزار کیا ہوا
تھانہ بھون کی خاک تجھے بھی خبر ہے کچھ؟ — تیرا وہ علم و فضل کا دربار کیا ہوا
تلقین صبر کس کو کرے کون؟ آہ! آہ! — وہ رہنما وہ سید و سردار کیا ہوا
جس کے مصنفات سے دنیا ہے فیض یاب — وہ علم دیں کا محرم اسرار کیا ہوا
دردِ فراق سے کسی پہلو نہیں قرار — اے فکر وہ سکونِ دلِ زار کیا ہوا
تاریک شد بہ منزلِ آفاق راہِ ما — دردا! کہ رفت پیرِ طریقت پناہِ ما

تاریخہائے وفات حکیم الامت حضرت مولینا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

از جناب جمیل الرحمٰن صاحب محمودی سیوہارہ

لما توفی اشرف العلماء — دبکت علیہ الارض مثل سماء

ارخت مرتجلاً وقلت مبادراً — لفظ "المجدد" مشعر ببقاء
وعلی الوفات تدل بالعشرات[1] — ها قد توفی اشرف العلماء
۱۳ ھ ۶۰
باللہ طیب ثراہ ومثواہ — وفات اہل العلم موت کل العالم
۶۲ ھ ۱۳ — ۶۲ ھ ۱۳
اجل العلماء ثلمۃ فی الدین[2] — رحلت قد وقع الاصفیاء،
۶۲ ھ ۱۳ — ۶۲ ھ ۱۳

انّ الموت موتہ والمحیا محیاہ جزاہ اللہ حسن الجزاء
۶۲ ھ ۱۳

نماند آہ علامہ اشرف علی — مگر ماند ازو ثبت نامِ نکو
زمرگش بملت زیانے رسید — کہ شانِ سلف بود قائم ازو
بمن گفت ہاتف کہ سالِ وفات — نشانِ سلف آہ گم گشتہ گو
۶۲ ھ ۱۳

وہ اشرفِ یگانہ اور وقت کے مجدد — غزالیِ زمانہ اور رہنما و مرشد
ہے جن کی زندگی کی تاریخ المجدد — جن کی حیات پر ہے لفظ امام شاہد
۸۲ — ۸۲
وہ آج ہو چکے ہیں خلد بریں میں آسودہ — سالِ وفات سنئے رخصت ہوئے مجدد
۶۲ ھ ۱۳
سیدی اشرف علی جب عازمِ عقبیٰ ہوئے — مرحبا کی جنت الفردوس سے آئی نوید
غیب سے ملہم ہوئی مجھ پر یہ تاریخ وفات — شیخ اکبر چل دیئے یا چل دیئے گویا جنید
۶۲ ھ ۱۳
علامہ اشرف علی افسوس رخصت ہو گئے — واللہ سب ہی کچھ تھے وہ (باللہ) سب ہی کچھ تھے وہ
۴۳ ۶ ۱۹
ہاتف نے فرمایا کہ لکھ رحلت کا سال عیسوی — علامہ تھے عارف بھی تھے باللہ سب ہی کچھ تھے
۴۳ ۶ ۱۹

آہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی
۶۲ ھ ۱۳

---

[1] بحساب عشرات،

[2] حدیث مرفوع موت العالم ثلمۃ فی الدین،

مطبوعات جدیدہ

تطہیر القلوب از جناب سید صالح حسین صاحب شوق علیگ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۸، کاغذ و کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ پتہ :- مبارک لین چھپرا صوبہ بہار،

شیعہ اور سُنّی اختلاف کے نتائج محتاج بیان نہین، اس کا سب سے افسوسناک پہلو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جو اسلام کے اساطین اعظم ہیں، طعن وطنز ہے، لائق مصنف کا آبائی مذہب شیعہ تھا، لیکن اونھون نے اپنے مطالعہ اور تحقیق سے سُنّی مذہب اختیار کر لیا ہے، مشاجراتِ صحابہ حضرت علی، حضراتِ شیخین اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے باہمی تعلقات، جنگ جمل وجنگ صفین، اور حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق شیعون کی جانب سے جو اعتراضات اور شکوک وشبہات پیش کئے جاتے ہین، مذکورۂ بالا کتاب مین مصنف نے شیعہ اور سنیون کی معتبر کتابون سے ان کے تشفی بخش جوابات دیئے ہین، یہ جوابات زیادہ تر دارالمصنفین کی سیرت عائشہ اور سیر الصحابہ سے ماخوذ ہین لیکن جا بجا مصنف نے خود بھی مفید اضافے کئے ہین اختلافی مسائل کی بحث مین عموماً غیر سنجیدہ مناظرانہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اس کتاب کا لب ولہجہ متین اور شایستہ ہے، کاش شیعہ اور سُنّی اختلافی مسائل کو چھوڑ کر متحد ہو سکتے، اور ان کی قوتین ایک دوسرے کے خلاف اور غیر ضروری مباحث مین صرف ہونے کے بجائے اسلامی مفاد مین صرف ہوتین،

اسٹالن مترجمہ جناب آصف علی صاحب بیرسٹر دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴۴ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ :- مکتبہ جامعہ نئی دہلی اور اسکی شاخین لاہور، لکھنؤ بمبئی نمبر ۳

موجودہ دور کے تمام ڈکٹیٹرون کی سوانحمریان اردو مین موجود ہین، اسٹالن کے سوانح پر اب تک

کوئی مستقل کتاب نہ تھی، موجودہ جنگ مین اسٹالن کے حیرت انگیز کارنامون کی وجہ سے اس کی اور بھی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، لائق مترجم نے مشہور انگریز مصنف اسٹیفن گریہم کی کتاب اسٹالن کا اردو ترجمہ کرکے اس کمی کو پورا کیا ہے، اسٹالن کے سوانح حیات اور اس کے کارنامے تمامتر انقلابِ روس سے وابستہ ہین، اس لئے اس کتاب مین ۱۹۱۷ء سے لیکر ۱۹۳۵ء تک انقلاب روس سوویٹ حکومت کی تاسیس، اور اس کے مختلف مراحل کی مختصر تاریخ، اور اس انقلاب وتعمیر مین اسٹالن کا جو حصہ رہا ہے، اور لینن کے بعد اوس نے جس طرح اپنی مخالف قوتون کا خاتمہ کرکے ڈکٹیٹری حاصل کی ہے، اور سوویٹ حکومت نے جو نئے اقتصادی اور صنعتی تجربات کئے مین ان سب کی پوری سرگذشت آگئی ہے، اس کتاب میں اخلاقی نقطۂ نظر سے اسٹالن کی کوئی اچھی تصویر نہیں پیش کی گئی ہے اور اسے پڑھکر اس کی عظمت کا کوئی اثر دل پر نہیں پڑتا، شاید اس کی وجہ قلم در کفِ دشمن است" ہو، تاہم اس سے اسٹالن کے کارنامون کا اندازہ ہو جاتا ہے، لائق مترجم کا مقدمہ بجائے خود ایک مستقل چیز ہے، اس مین روس کی قدیم تاریخ کے مختلف دورون، یورپ میں حکومت کے مختلف نظامون اور ان کے متعلق عہد بعہد کے مختلف اصلاحی وسیاسی نظریون اور ان کے ماتحت ان کے تغیرات وانقلابات اور انقلابِ روس کے عوامل واسباب کی پوری تفصیل ہے،

تنویر صبر، حصہ اول، مؤلفہ جناب مولوی سکندر بخت صاحب فاضل دیوبند تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۸ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ :- غلام دستگیر تاجر کتب حیدرآباد دکن،

ہونہار مصنف نے اس کتاب میں لغاتِ عرب آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور اقوالِ صوفیہ کی روشنی میں صبر کے معنی ومفہوم کی تشریح کی ہے، اس کی عظمت واہمیت بتائی ہے، اور اسکے مختلف اقسام بیان کئے ہین، یہ کتاب غالباً انکی پہلی تصنیفی کوشش ہے اسلئے خامیون کا رہ جانا تعجب کی بات نہین، چنانچہ صبر کی بعض تشریحیں بھی محل نظر ہین اور زبان، عبارت اور طرزِ تحریر تو بہت اصلاح کی محتاج ہین، ایسی تصانیف کے لئے بڑی مشق ومہارت اور پختگی کی ضرورت ہے، لیکن ان خامیون کے باوجود مصنف کی محنت اور تلاش قابلِ قدر ہے انھون نے صبر کے متعلق اس کتاب میں بہت سے مفید معلومات جمع کر دیئے ہیں،

نورِ ہدیٰ مؤلفہ جناب مولوی سید ابوالمحفوظ محمد محمود احسن صاحب شمسی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۲ صفحے،
کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲ر پتہ شاد بک ڈپو، پیر بہوڑ پٹنہ،

مولوی سید نور الہدیٰ صاحب مرحوم بیرسٹر ٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج پٹنہ، بہار کے ایک دیندار مخلص اور درد مند مسلمان تھے، ملازمت سے سبکدوشی کے بعد انھون نے بقیہ عمر مسلمانون کی خدمت مین بسر کی، ان کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ ہے، یہ مدرسہ انھون نے اپنے والد مرحوم سید شمس الہدیٰ کے نام پر اپنے ذاتی صرف سے قائم کیا تھا، اور اس کے اخراجات کے لئے ایک بڑی جائداد وقف کر گئے، اب یہ مدرسہ گورنمنٹ بہار کے شعبۂ تعلیم کی نگرانی مین ہے، اور صوبۂ بہار مین عربی تعلیم کا ایک بڑا مرکز ہے، مصنف نے جو اسی مدرسہ کے فارغ شدہ ہین، مذکورۂ بالا کتاب مین بانی مدرسہ کے حالات اور مدرسہ کی تاسیس سے لیکر ۱۹۴۱ء تک اسکی پوری سرگذشت بیان کی ہے اور کتاب کے آخر مین مدرسہ کے منتظمین اور اساتذہ کے مختصر حالات لکھدیئے ہین، کتاب سبق آموز اور دلچسپ ہے، لیکن زبان نہایت خام ہے، جو غالباً مصنف کی نوآموزی کا نتیجہ ہے،

سچی کہانیان از جناب عندلیب شادانی پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۲ صفحے،
کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ہے، پتہ:۔ کتب خانہ علم وادب، دہلی،

عرصہ ہوا رسالہ ساقی دہلی مین پریم پجاری کے قلم سے سچی کہانیون کا ایک دلچسپ سلسلہ نکلا تھا، جو بہت مقبول ہوا، ہم نے بھی اس کو بڑی دلچسپی سے پڑھا تھا، افسانون کی دلکشی غمازی کرتی تھی کہ پریم پجاری کے پردہ مین کوئی صاحبِ مذاق پنہان ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ اس پردہ میں عندلیب کا نغمہ نکلے گا، مذکورۂ بالا کتاب انہی پندرہ کہانیون کا مجموعہ ہے، مصنف کے تعارف کی ضرورت نہین، وہ ایک کہنہ مشق ادیب ہین، ان کا بیان ہے کہ یہ کہانیان سچی ہین اور اصل واقعات مین بہت کم اضافہ کیا گیا ہے، اگر اون کا یہ بیان صحیح ہے، اور غلط ہونے کی کوئی وجہ نہین، تو ان افسانون کی قدر وقیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، یہ صحیح ہے کہ کبھی سچی سرگذشت بھی افسانے سے کم دلچسپ نہین ہوتی، لیکن حقیقت مین فرضی افسانون سے زیادہ لطف ودلآویزی پیدا کردینا

مصنف کے حسنِ انشا، کا کمال ہے، یہ تمام افسانے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہین،

رنگ بست از جناب نواب مرزا جعفر علی خان اثر لکھنوی تقطیع بڑی ضخامت ۷۰ صفحے کاغذ
کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ:۔ اردو اکیڈمی لاہور

اردو مین دوسری زبانون کی مشہور اور بلند پایہ نظمون کے منظوم ترجمے کرنا مختلف حیثیتون سے اردو شاعری کے لئے مفید ہے، لیکن یہ بڑا کٹھن کام ہے، ہر شخص کے بس کی بات نہین اس کے لئے قادر الکلامی کے ساتھ بڑے سلیقہ اور حسن مذاق کی ضرورت ہے، ورنہ منظوم تراجم کی کوشش عموماً نہایت مضحک بن جاتی ہے، جس کی مثالین اردو مین کمیاب نہین، جناب اثر لکھنوی کی قادر الکلامی اور حسن مذاق مسلّم ہے، انھون نے اس مجموعے مین یونانی، اطالوی، فرانسیسی، انگریزی، سنسکرت، بنگالی، اور عربی زبانون کی اٹھائیس مشہور نظمون کے منظوم ترجمے کئے ہین، الفاظ کی پابندی کے ساتھ منظوم ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے، اس لئے کہ ہر زبان کا انداز بیان اور طریقۂ تعبیر جداگانہ ہوتا ہے، اسلئے الفاظ کی پابندی سے زبان کی سلاست مین فرق آجائے گا اگر مفہوم کا بھی پورا ترجمہ ہوجائے تو بھی بڑی کامیابی ہے، اس لحاظ سے یہ ترجمے جناب اثر کی قادر الکلامی کا نمونہ ہین، انھون نے ان کو اس طرح اردو کے قالب مین ڈھال دیا ہے، کہ اگر کہین کہین خیالات غیر زبان کی غمازی نہ کرین تو ترجمہ کا گمان بھی نہین ہوتا، بیشتر نظموں میں لطف زبان مین بھی فرق نہین آنے پایا ہے، اور بعض ترجمون مین تو ادبی اور شاعرانہ نزاکتین بھی موجود ہین، یہ ترجمے بیشتر انگریزی کے ترجمون سے کئے گئے ہین، اس لئے ممکن ہے، ترجمہ در ترجمہ مین اصل سے کچھ فرق پیدا ہوگیا ہو، لیکن اس کا کوئی ظاہری اثر ان نظمون مین نظر نہین آتا، ان نظمون سے اردو شاعری مین اچھا اضافہ ہوا،

نوو زندگی از جناب سید علی منظور صاحب حیدر آبادی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۰ صفحے،
کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ:۔ سب رس کتاب گھر خیریت آباد،
حیدر آباد دکن،

مصنف حیدرآباد کے مشہور شاعر ہیں، اردو کے اکثر ادبی رسالون مین ان کا کلام نکلتا رہتا ہے، نمود زندگی اون کے کلام کا مجموعہ ہے، اس میں مذہب و اخلاق، سیاست و قومیات، عرفان و تصوف، حسن و عشق وغیرہ مختلف موضوعون اور جذبات و خیالات پر نظمین ہین، کلام مین تخیل آرائی، اور رنگینی کے بجائے واقعیت اور سادگیٔ بیان زیادہ نمایان ہے، بلکہ یہ دونون اوصاف اون کے کلام کا امتیازی وصف ہین، بعض نظمون مین سادگی اور واقعیت اتنی غالب ہے کہ وہ شاعری کی بہ نسبت واقعہ نگاری سے زیادہ قریب ہو گئی ہین، غزلون کا بھی عموماً یہی رنگ ہے، لیکن کلام مین پختگی ہے،

حالی محب وطن، از جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۷ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، قیمت چھ آنے، پتہ :- اردو گھر احمد منزل کلان محل، دہلی،

مولانا حالی کی پیدائش کی صد سالہ یادگار کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے یہ تقریر فرمائی تھی، جسے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے، آج کل کے انقلابی رجحانات اور ان کی تنگ نظری نے قوم و وطن کی محبت اور خدمت کے معنی و مفہوم کو بہت محدود کر دیا ہو اس تحدید کی بنا پر ہمارے بعض وہ پرانے خدام وطن جنھون نے سب سے پہلے حب وطن اور حب قوم کا سبق دیا، اس زمرہ سے خارج تصور کئے جاتے ہین، فاضل مقرر نے اس تقریر میں اس غلط فہمی کو دور کیا ہے، اور بتایا ہے کہ قوم اور وطن کی خدمت محض انقلاب کا نعرہ لگا دینے کا نام نہین ہے، اور اوس کے مختلف پہلوؤن اور مختلف حیثیتون کی وضاحت کر کے مولانا کی خدمتِ وطن کی نوعیت اور اس کی قدر و قیمت دکھائی ہے، اور ان کے کلام سے ان کے حُبِ وطن اور حب قوم کا ثبوت دیا ہے، بعض ایسی مثالین بھی پیش کی ہیں جو خدمتِ وطن کے موجودہ معیار پر بھی پوری اترتی ہین، فاضل مقرر کی دوسری تقریرون کی طرح یہ تقریر بھی خیالات کے اعتدال و توازن اور نکتہ دری کا نمونہ ہے،

"م"

جلد ۵۳ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۴ء عدد ۳

مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحات
شذرات،	شاہ معین الدین احمد ندوی،	۱۶۲-۱۶۴
قنوج	سید سلیمان ندوی،	۱۶۵-۱۸۵
اسلامی اور غزنوی علم،	جناب غلام مصطفےٰ صاحب ایم اے، ایل ایل بی، (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج، امراؤتی برار،	۱۸۶-۱۹۸
کلام اقبال کی دقتیں اور ان کی تشریح کی ضرورت،	جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ لکچرار یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور،	۱۹۹-۲۱۰
انجمن ہاے قرضۂ بے سودی،	جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب صدیقی استاذ جامعۂ عثمانیہ	۲۱۱-۲۱۶
طب فرشتہ،	جناب سید عبد القادر صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج،	۲۱۷-۲۱۹
اردو کی دو قدیم کتابیں،	جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی،	۲۲۰-۲۲۱
"موج کوثر"	مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل، ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ، اعظم گڈہ،	۲۲۲-۲۲۵
الصلوٰۃ و السلام علی سیّد الانام،	جناب یحییٰ اعظمی،	۲۲۵-۲۲۷
مولوی ریاض حسن خان صاحب خیال کا مکتوب بنام نواب محمد اسحاق خان صاحب مرحوم سکریٹری محمڈن کالج علیگڈہ	مولوی ریاض حسن صاحب، خیال	۲۲۸-۲۳۵
مطبوعات جدیدہ،	"م"	۲۳۶-۲۴۰